# اسلام کے قلعے

(مدارس دینیہ عربیہ)

اور

# علماء ربّانی کی ذمّہ داریاں

از

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

شائع کردہ

شعبۂ تعمیر و ترقی بکس ۹۳ پوسٹ ندوۃ العلماء لکھنؤ

طبع اوّل

۱۴۱۱ھ — ۱۹۹۰ء

کتابت ـــــــــــــــ ظہیر احمد کاکوروی

طباعت ـــــــــــــ لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس (آفسٹ)

صفحات ـــــــــــــ ۷۰

قیمت ـــــــــــــ

طابع و ناشر

شعبۂ تعمیر و ترقی پکس ۹۳ پوسٹ ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# پیش لفظ

الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔

پیش نظر رسالہ راقم سطور کے تین مضامین (۱) اسلام کے قلعے (۲) عربی مدارس (۳) علماء ربانی کی ذمہ داریاں، پر مشتمل ہے، پہلے دو مضامین ندوۃ العلماء کے ترجمان رسالہ "الندوہ" کے دور سوم میں شائع ہوئے، جو راقم اور رفیق محترم مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی مرحوم کی ادارت میں جنوری ۱۹۴۰ء سے نکلنا شروع ہوا تھا، اور دسمبر ۱۹۴۲ء تک جاری رہا، تیسرا مضمون "علماء ربانی کی ذمہ داریاں" ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا، رسالہ "الندوہ" جو اپنے دور اول میں علامہ شبلی نعمانی، اور نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کی ادارت میں اگست ۱۹۰۴ء سے مئی ۱۹۱۲ء تک جاری رہا[1]، اور اپنے دور دوم (۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۶ء) میں مولانا اکرام اللہ خاں ندوی کی ادارت میں نکلا،

---

[1] اسی دور میں مولانا ابو الکلام آزاد (جو اس وقت نوجوان تھے) اس کے ادارہ سے منسلک اور معاون مدیر تھے۔

ہندوستان کے وقیع ترین رسائل میں شمار ہوتا تھا جس میں کسی مقالہ کا شائع ہونا صاحب مقالہ کے لئے باعث اعزاز اور ایک علمی سند کی حیثیت رکھتا تھا حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کے ایماء وہدایت پر وہ تیسری مرتبہ ۱۹۴۰ء سے نکلنا شروع ہوا، اور اس کی ادارت ہم دونوں جوان سال رفقاء کے سپرد ہوئی، جو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی وتربیتی فرائض انجام دیتے تھے۔

اس زمانہ میں جو ذہنی بے چینی، سیاسی تحریکات اور مغربی نظام تعلیم کی برتری اور اس کی تنہا افادیت وضرورت کے بڑھتے ہوئے احساس کا خاص دور تھا، مدارس دینیہ وعربیہ کی افادیت اور ان کے باقی رہنے کی ضرورت کے بارے میں تشکیک وشبہات اور سوالات واستفسارات شروع ہو گئے تھے، اس صورت حال کے پیش نظر اور اس جرح واعتراض کی موجودگی میں جو کبھی کبھی طنز وتعریض اور تمسخر واستہزاء کے درجہ تک بھی پہونچ جاتا تھا، اس کے ساتھ خود فضلائے مدارس اور علمائے دین کی اپنے ان فرائض کی ادائیگی میں تساہل اور کبھی کبھی غفلت دیکھنے میں آتی تھی (جو نائبین انبیاء، کتاب وسنت کے ترجمانوں اور حامیان ومدافعین شریعت کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتے تھے) یہ مضامین ایک عمیق ذہنی تأثر اور جذبہ کے ماتحت لکھے گئے، اس وقت راقم سطور کی عمر تقریباً ۳۰ سال سے کم ہی تھی، اب (۱۹۹۰ء میں) اتفاقاً جب

ان مضامین پر نظر پڑی تو ان کی دوبارہ اشاعت کی ضرورت کا احساس ہوا کہ ایک بار پھر ان مدارس کی افادیت و ضرورت معرض بحث میں آگئی ہے، اور ان کے بارے میں ایسے تبصرے ہو رہے ہیں، جو ان کی قدر و قیمت اور اہمیت و ضرورت کو مشکوک بنا دیتے ہیں، نیز بعض حلقوں کی طرف سے ایسے مشورے دیئے جاتے ہیں کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو اسلام کے یہ قلعے جو دین و شریعت کی اشاعت و حفاظت اور کار نبوت کے تسلسل و بقا کے لئے وجود میں آئے، نا مذہبی (SECULAR) تعلیم گاہیں یا خالص معاشی ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ بن کر رہ جائیں گے۔

راقم نے اپنے ان مضامین پر نظر ڈالی تو اس کو اندازہ ہوا اور وہ اس کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ اس وقت بھی جب وہ کہولت کی عمر سے بھی تجاوز کر چکا ہے، اور عالم اسلام، عالم عربی اور مغربی دنیا کے بیشتر ترقی یافتہ ممالک کے سفر کر چکا ہے، اور وہاں کی نامور دانش گاہوں، جامعات اور علمی مرکزوں کو قریب سے دیکھ چکا ہے، اور ان میں سے بعض کی کمیٹیوں کا ممبر بھی ہے، اس سے بہتر اور زیادہ مؤثر انداز میں اب بھی اس موضوع پر نہیں لکھ سکتا، اس احساس اور ضرورت کی بناء پر ان مضامین کی ایک رسالہ کی شکل میں طباعت و اشاعت کا خیال آیا، اس تحریک اور اس خیال کی تکمیل میں رفیق عزیز مولوی سید محمد عبد السمیع صاحب ندوی کی توجہ دہانی اور سعی

و محنت کا بڑا دخل ہے، جن کے لئے راقم اُن کا شکر گزار ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اور امید ہے کہ یہ مضامین ایک طرف مدارس دینیہ عربیہ کے ذمہ داروں اور کارکنوں کے دلوں میں نیا اعتماد اور اطمینان پیدا کریں گے، اور ان کے اندر (نائبین انبیاء اور خادمین دین و شریعت کی حیثیت سے) اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے کا نیا جذبہ و تحریک پیدا کریں گے، دوسری طرف مشککین و معترضین کو حقیقت پسندی اور زیادہ سنجیدگی و گہرائی کے ساتھ ان مدارس کی ہر زمانہ میں ضرورت و افادیت پر غور کرنے اور حقائق کا اعتراف کرنے پر آمادہ کریں گے۔

ابوالحسن علی ندوی

ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ

۸ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

۳۱ جولائی ۱۹۹۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اسلام کے قلعے

جدید اجتماعی وسیاسی تغیرات نے بہت سے قومی و مذہبی مسائل کو موضوع بحث بنا دیا ہے، اور زندگی کے بہت سے شعبوں اور اداروں کی ضرورت اور فائدہ پر بحث و تنقید کا دروازہ کھل گیا ہے، مسلمانوں کے بعض حلقوں میں سنجیدگی کے ساتھ یہ سوال پیدا ہو گیا ہے کہ عربی مدارس کی اس انقلابی زمانہ میں کیا ضرورت ہے، اور ان کے نہ ہونے سے ہماری زندگی کا کون سا خانہ خالی رہتا ہے، آج کی صحبت میں ہم اسی سوال کے جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

اس سلسلہ میں چند بنیادی حقائق کا سمجھ لینا ضروری ہے جو اس مسئلہ میں مبادی کا کام دیں گے۔

پہلی چیز یہ ہے کہ مسلمان قوم کا مزاج اور قوام دنیا کی تمام قوموں سے مختلف ہے، مذہب اُمّتِ مسلمہ کے خمیر اور ترکیب میں داخل ہے، یہ قوم کسی جگہ اور کسی وقت بھی غیر مذہبی نہیں ہو سکتی، بلکہ مذہب اور ایک متعین مذہب

(اسلام) کے بغیر اس کا تصوّر ہی ممکن نہیں، مذہب اس کے فکر و عمل کا مرکز، اس کے کاموں کی صحت و غلطی اور اس کی ترقی و تنزّل کی میزان اور اس کی صحت طبعی اور انحراف مزاج کا مقیاس ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس اُمّت کی بنیاد ایک خاص قانون (شریعت) اور ایک خاص دستور (قرآن وحدیث) پر ہے، یہ قانون مکمل اور یہ دستور منضبط ہے، اس اُمت کو دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی زندگی اور فکر کا سرچشمہ تغیر پذیر، انسانی اجتہادات و تجربات اور غیر قطعی نظریات کے بجائے وحی الٰہی ہے، دنیا کی دوسری تہذیبوں کے برخلاف اس کی تہذیب و تمدّن کی بنیاد دیواروں اور ستونوں، میناروں اور گنبدوں، کاغذ کے شیرازوں، تصویروں کے نقوش اور موسیقی کے آلات پر نہیں ہے، بلکہ چند ابدی حقائق، چند اصول و نظریات اور اس مخصوص اخلاقی فلسفہ پر ہے جو وحی سے ماخوذ اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے، دنیا کی دوسری "خودرو" اور "خود ساختہ" قوموں کے برخلاف اس کے مستقبل کی بنیاد اس کے ماضی پر ہے، اس کے سامنے زندگی کا ایک بلند ترین معیار اور ترقی کا آخری نمونہ ہے اور یہ نمونہ گذر چکا ہے لیکن تاریخی و تحریری طور پر محفوظ ہے، یہ سنت رسولؐ، اسوۂ صحابہؓ اور خلافت راشدہ کا عہد ہے، "سنت" اور "سلف" کی جو اہمیت اسلامی تعلیمات میں ہے، غالباً کسی دوسرے مذہب کی تعلیم میں نہیں ہے۔

یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ دین کا مفہوم جتنا اسلام میں وسیع اور ہمہ گیر ہے کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے، بلکہ اگر دیکھا جائے تو اسلام کے صحیح نقطۂ نظر اور تعلیمات نبوی کے مطابق سچے مسلمان کی پوری زندگی دین ہے، اور نیت کے تغیر سے اس کا ہر کام عبادت ہے، اس لئے اس میں دین و دنیا کی وہ تقسیم نہیں ہے جو مسیحی مذہب میں ہے، نہ دین و دنیا کے شعبے اور ان کے اشخاص اس طرح علیحدہ علیحدہ اور ان کے حدود ایک دوسرے سے اس طرح ممتاز ہیں جس طرح عیسائیوں میں، مذہب مسلمان کی زندگی میں جلد مؤثر ہوتا ہے، اور جلد متأثر، اگر اس کی زندگی کے مسائل نہایت ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ دین کی روشنی میں اور اس کی مصالحت اور سمجھوتہ سے طے نہ کئے جائیں تو نہایت آسانی سے وہ دین سے ٹکرا جاتے ہیں اور مسلمان کی زندگی اور اس کے مذہب پر ان کا اثر پڑتا ہے، مثال کے طور پر صلح و جنگ کے قوانین تعزیرات لین دین کے معاملات اور کتنے اجتماعی و معاشرتی سیاسی اور معاشی مسائل ہیں جن کا مذہب سے گہرا تعلق، اور اسلامی قانون سے ارتباط ہے، ان مسائل کو طے کرنے کے لئے کتنی دینی بصیرت اور کس قدر علم کی ضرورت ہے۔

جس قوم کا مزاج اتنا نازک اور پیچیدہ ہو اور جس کے مذہب و قانون کا دائرہ اتنا وسیع ہو، اس کے علاج و طبی مشورہ کے لئے کیسے مزاجداں و نباض اور کیسے حاذق کی ضرورت ہے۔

جو طبقہ یا جماعت مسلمانوں کی رہنمائی کے منصب کی اُمیدوار ہو اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کے قانون اور دستور سے واقف ہو، اس سرچشمہ سے سیراب ہو جس سے اس کی زندگی کی نہریں پھوٹی ہیں اور اس کی رگوں میں اس کا آبِ حیات جاری ہے، ان ابدی حقائق کا علم اور ان اصول و نظریات پر یقین رکھتا ہو اور اس اخلاقی فلسفہ کا قائل اور حامل ہو جس پر اُس کے تمدّن و تہذیب کی بنیاد ہے اس کے ماضی سے باخبر اور اس بلند معیار اور نمونہ سے متأثر ہو، جس پر اُمت کے حال و مستقبل کی تعمیر ہونی چاہیئے۔

اس سلسلہ میں ایک اور حقیقت سمجھ لینی چاہیئے۔ اسلام دراصل نام ہے اس مستقل واضح اور متعین دینی اخلاقی اور اجتماعی نظام کا جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں لے کر آئے اسی کا نام شریعت محمدیؐ ہے، اس میں عقائد بھی ہیں، اعمال اخلاق و معاملات بھی باقی جو کچھ ہے یا اس کے لئے وسیلہ ہے یا اس کا نتیجہ اُمّت کا سب سے بڑا فریضہ اس نظام کی حفاظت ہے، عقائد کی حفاظت بھی ضروری ہے اور احکام کی حفاظت بھی! ضرورت ہے کہ عقائد ان تمام تحریفات سے محفوظ رہیں جو دوسرے مذاہب میں پیش آئیں اور جس کا اس اُمّت میں بھی ہر وقت خطرہ ہے، ضرورت ہے کہ نبوت محمدیؐ نے ذات و صفات باری تعالےٰ توحید و رسالت قضا و قدر حشر و نشر امور غیب اور وحی کے متعلق جو تشریح کی ہے اور ان کے جو حدود قائم کئے ہیں وہ باقی رہیں اس لئے کہ ان تمام مسائل کی بنیاد

قیاس و تخمین پر نہیں بلکہ وحی و نبوت پر ہے اور نبوت محمدیؐ نے اس کی تکمیل کر دی ہے۔ احکام پر عمل اسی طرح ہو جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ہوا، شرعی احکام وعبادات میں ترمیم واضافہ (بدعت) سے مذہب کو محفوظ رکھا جائے پرانے آسمانی مذاہب ان بدعات کی وجہ سے اس طرح مسخ ہوئے کہ اب ان کے انبیاؑ کے لئے ان مذاہب کا پہچاننا ناممکن ہے۔

پھر اس کی بھی ضرورت ہے کہ ان عقائد واحکام کی برابر اشاعت و تعلیم ہوتی رہے اس لئے کہ دین کا بقا اسی پر منحصر ہے۔

اس کے علاوہ اُمت محمدیؐ کی بعثت کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ دنیا میں بھلائی کی تلقین (امر بالمعروف) اور برائی کی ممانعت (نہی عن المنکر) کرتی رہے۔ ایک آیت میں اُمت کی پیدائش وظہور کا مقصد بتایا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ | تم سب اُمتوں سے بہتر ہو جو عالم |
| لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ | میں بھیجی گئی۔ اچھے کاموں کا حکم |
| وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ | کرتے ہو اور برے کاموں سے منع |
| بِاللّٰهِ۔ (آل عمران ع ۱۲) | کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔ |

لیکن یہ اُمت کا بحیثیت مجموعی فریضہ ہے اگر اس میں سے ایک معتدبہ جماعت یہ فرض انجام دے تو گویا پوری اُمت یہ فریضہ انجام دے رہی ہے۔ اس لئے دوسری آیت میں اُمت کے ایک بڑے گروہ کا جس پر خود اُمت کا اطلاق ہو سکے یہ فریضہ

بتایا گیا ہے مگر اس "اُمت صغریٰ" کا پیدا کرنا اور اس کو اس کا موقع دینا خود "اُمّت کبریٰ" کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا :-

| | |
|---|---|
| وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ | تم میں سے ایک جماعت ایسی |
| إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ | ہونی چاہیئے جو خیر کی دعوت |
| وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ | دے نیکی کا حکم کرے اور برائی |
| (آل عمران ع ۱۱) | سے روکے۔ |

اس تقسیم عمل کے اصول کو یہ آیت اور زیادہ واضح کرتی ہے :-

| | |
|---|---|
| وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ | اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن |
| لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ | سب کے سب نکل آئیں تو یوں |
| مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ | کیوں نہ کریں کہ ہر جماعت میں |
| لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا | سے چند اشخاص نکل جائیں تاکہ |
| قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا | دین کا علم سیکھیں اور اس میں |
| إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔ | سمجھ پیدا کریں اور جب اپنی قوم |
| (توبہ ع ۱۵) | کی طرف واپس آئیں تو ان کو |
| | خوف دلائیں تاکہ وہ کچھ خوف کریں۔ |

نہایت آسانی سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ مندرجۂ بالا فرائض نظام شرعی کی حفاظت عقائد و احکام کو اپنے مقام پر رکھنا اور ان کو تحریف و بدعات سے

بچانا شریعت کی اشاعت و تعلیم اور تبلیغ و اصلاح کے فرائض قوم کا کون سا طبقہ انجام دے سکتا ہے۔

اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ نظام شرعی کی حفاظت اور اس کے لئے ایثار و قربانی صرف وہ طبقہ کر سکتا ہے جس کی ذہنی اور عملی تربیت اس کے موافق ہوئی ہو، جس کے رگ و ریشہ میں اس نظام کی محبت اور اس کا عشق و احترام پیوست ہو گیا ہو اور جس کے قلب و دماغ کی گہرائیوں میں اس کا یقین اتر گیا ہو، اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ جب اس نظام پر کوئی ضرب لگائی گئی یا اس کے خلاف کوئی سازش کی گئی تو ہمیشہ یہی طبقہ بیچین ہوا اور سر سے کفن باندھ کر میدان میں اُتر آیا، حضرت حسینؓ، زید شہیدؒ، محمد ذوالنفس الزکیہؒ ابراہیم بن عبداللہؒ کی قربانیاں اور سرفروشی اور اموی و عباسی محرّف نظام سلطنت کے خلاف تحریک جہاد اسلامی نظام کی حفاظت کی کوششیں ہی تھیں؛ پھر ان خونیں معرکوں کے مظلوم شہدا اگر عالم کہلانے کے مستحق نہیں تو روئے زمین پر پھر عالم دین کہلانے کا مستحق کون ہے؟ ان کے حامیوں اور مددگاروں میں بھی سر فہرست نام امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہے۔

جب عباسی سلطنت کی طرف سے اُمّت پر جبریہ خلق قرآن کا عقیدہ مسلّط کیا جانے لگا تو اس خطرناک تحریف و الحاد اور اس غیر اسلامی عقیدہ کے خلاف وقت کی سب سے بڑی شہنشاہی کے مقابلہ میں حفاظت دین کے لئے

جو شخص تنہا میدان میں آیا وہ جماعت علماء کا ممتاز فرد امام احمد بن حنبلؒ تھا جس کے عزم و استقامت اور ایمان کے سامنے حکومت وقت کو جھکنا پڑا، اور یہ عقیدہ تاریخی یادگار بن کر رہ گیا ہے آج کتنے مسلمان ہیں جو اس کا مطلب بھی سمجھتے ہیں۔

تیسری صدی کے آغاز میں جب عباسی سلطنت کی غفلت سے بغداد میں سخت ابتری فسق و فجور اور بدامنی پھیلی تو دو عالموں خالد الدریوش اور سہیل بن سلامۃ الانصاری نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا اور قوت و جمعیت کے ساتھ من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ پر عمل کرنا شروع کر دیا جس کی پاداش میں وہ دونوں گرفتار ہوئے اور قید کر دیے گئے۔[1]

بعد کے زمانے میں دو جلیل القدر عالم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور امام ابن جوزیؒ نے اسلامی نظام اخلاق کی حفاظت اور مسلمانوں کی روحانی و دینی اصلاح کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دیں ان کے اظہار کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد اسلامی نظام کو اپنے مرکز اصلی پر لانے کے لئے عقائد کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تفہیم اور صحابہؓ کے فہم کے مطابق سمجھنے کے لئے امام ابن تیمیہؒ نے جو علمی و عملی خدمات انجام دیں وہ اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں۔

ہمارے ہندوستان میں اسلام کے نازک ترین دور میں جب (مؤرخ اسلام

---

[1] ملاحظہ ہو طبری جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۱ و مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۳۴

کے الفاظ میں) "عجم کے ایک جادوگر نے بادشاہ کے کان میں یہ منتر پھونکا کہ دینِ عربی کی ہزار سالہ عمر پوری ہوگئی اب وقت ہے کہ ایک شہنشاہ اُمّی کے ذریعہ نبی اُمّی علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا دین منسوخ ہوکر دینِ الٰہی کا ظہور ہو، مجوسیوں نے آتشکدے گرمائے عیسائیوں نے ناقوسیں بجائیں، برہمنوں نے بت آراستہ کئے اور جوگ و تصوّف نے مل کر کعبہ اور بت خانے کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے پر اصرار کیا"[1] تو جو مسلمان مجاہد اس "فتنۂ اکبر" کے مقابلہ کے لئے میدان میں آیا اور جس نے سلطنت مغلیہ کا رُخ ہی بدل دیا اور جس کی عہد آفریں تحریک اور انقلاب انگیز تجدید نے اکبر کے گھرانے میں عالمگیر جیسا متشرع فرمانروا اور حامیِ دین پیدا کیا وہ علماءِ ہی کا سرتاج مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی تھا۔ رحمہ اللہ

اس کے بعد آج اس وقت تک ان عجمی دیار میں اس غریب الوطن عربی مہمان کی جس نے سرپرستی اور حفاظت کی اور ہوا کے طوفانوں میں اس چراغ کو جو بار بار چراغِ سحری بنا، گل نہ ہونے دیا وہ علماءِ دہلی کا مشہور بابرکت خاندان ہے جس میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ اپنے مجددانہ علمی کارناموں اور ان کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اپنی قربانی اور سرفروشیوں کی بنا پر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اس کے علاوہ بھی حفاظتِ دین، ردِّ بدعات اصلاحِ رسوم اور الحاد و زندقہ کے مقابلہ کا جتنا کام اس وقت تک ہوا اور اس وقت بھی ہو رہا ہے وہ

---

[1] مقدمہ سیرت سید احمد شہیدؒ از مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ۔

سراسر اسی طبقہ سے ہو رہا ہے۔

اگر دین اور اس کے شرعی نظام کی ضرورت ہے اور مسلمانوں کو محض ایک قوم بن کر نہیں بلکہ ایک صاحبِ شریعت و کتاب قوم بن کر رہنا ہے تو مذہب کے محافظین و حاملین اور شریعت کے ترجمان و شارحین کی ضرورت ہے اور اگر ان کی ضرورت ہے تو لامحالہ ان مرکزوں اور اداروں کی ضرورت ہے جو ایسے اشخاص پیدا کر سکتے ہیں اور یہ ضرورت مسلمانوں کی ہر قومی ضرورت سے اہم ہے۔

خلافت راشدہ کے طرز کی اسلامی سلطنت میں بھی دینی مدارس اور تربیت گاہوں کی ضرورت ہے تاکہ اُمت کے اسلامی جسم میں ہر دم تازہ خون پہونچتا رہے، اہلِ نظر جانتے ہیں کہ جس نظام کی پشت پر ایسا ادارہ یا تربیت گاہ نہ ہو جو اس قسم کے اشخاص پیدا کرتا رہے جو اس نظام کو چلا سکیں اگلوں کی جگہ لے سکیں اور اس مشین میں فٹ ہو سکیں اس نظام کی جڑیں ہمیشہ کھوکھلی اور اس کی عمر ہمیشہ کم ہوتی ہے۔

اگر برائے نام اسلامی سلطنت بھی ہے تو بھی ایسے اداروں کی ضرورت ہے تاکہ حکومت کو اپنے ذمہ دارانہ عہدوں کے لئے دیندار امین اور مسلمانوں کی ضرورت سمجھنے والے کارکن مل سکیں۔

لیکن اگر کسی ملک میں بدقسمتی سے اسلامی حکومت نہ ہو تو وہاں ایسے اداروں کی ضرورت شدید تر ہو جاتی ہے اگر کوئی جماعت کسی صحیح اسلامی

حکومت کی کچھ نہ کچھ قائم مقامی کر سکتی ہے اور حفاظت دین کا فرض انجام دے سکتی ہے تو وہ صرف جماعت علماء ہے، چنانچہ اسی نکتہ کی وجہ سے اسلامی سلطنت کے زوال کے وقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے خاندان نے اسلامی تعلیم اور دینی درس و تدریس کا نظام قائم کیا جس نے بڑی حد تک ایک اچھی اسلامی ریاست کی دینی ضرورتیں پوری کیں۔ اہلِ بصیرت جانتے ہیں کہ علمی حیثیت سے اسلام ہندوستان میں ان ممالک سے بہتر حالت میں ہے جہاں برائے نام اسلامی سلطنت موجود ہے مگر دینی آزاد مدارس کا کوئی نظام یا خاندان ولی اللّٰہی کی شان کے علماء نہیں پیدا ہوئے۔

جب ہندوستان میں حکومت مغلیہ کا چراغ گل ہو گیا اور مسلمانوں کا سیاسی قلعہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تو بالغ نظر اور صاحبِ فراست علماء نے جا بجا اسلام کی شریعت و تہذیب کے قلعے تعمیر کر دیے، انھیں قلعوں کا نام عربی مدارس ہے اور آج اسلامی شریعت و تہذیب انھیں قلعوں میں پناہ گزیں ہے، اور اس کی ساری قوت و استحکام انھیں قلعوں پر موقوف ہے۔

# عربی مدارس
# واجبات وفرائض

ربیع الآخر کے "الندوہ" میں اسلامی قلعوں کے عنوان سے عربی مدارس کی اہمیت اور ضرورت پر کچھ عرض کیا گیا تھا لیکن کسی ادارہ کے قیام وبقا کے لئے یہی کافی نہیں کہ اس کے بنیادی مقاصد نہایت اہم اور ضروری ہیں، اس کی سابقہ خدمات نہایت شاندار ہیں، اور مستقبل میں اس کے بڑے اچھے ارادے اور نیک نیتیں ہیں، یہ زمانہ "تنازع للبقا" کا ہے اور تنازع بھی صرف مادی جسمانی نہیں بلکہ ذہنی اجتماعی اور اخلاقی تنازع بھی، خیالات وافکار، نظریات و رجحانات، نقطہائے نظر، حلقہائے فکر، مختلف اخلاقی فلسفے، مختلف اجتماعی مسلک، مختلف سیاسی نظریے، مسلسل آویزش اور مقابلہ میں ہیں، زندگی میں اپنی شایان شان جگہ حاصل کرنے کے لئے زندہ اشخاص کو بھی اور بامقصد اداروں کو بھی سخت کشمکش اور جد وجہد کی ضرورت ہے اور "بقاء اصلح" کا قانون ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی جاری ہے۔

عربی مدارس کے وہ بلند مقاصد جن کو ہم نے اپنے پہلے مضمون میں اختصار سے بیان کیا ہے، اور جن کو اس سے زائد اختصار کے ساتھ دو لفظوں میں "نیابت انبیاءؑ" سے ادا کیا جا سکتا ہے کچھ پیغمبروں ہی کی سی جد و جہد اور قربانی چاہتے ہیں، حدیث "العلماء ورثۃ الانبیاء" کو حدیث اشد الناس بلاءً الانبیاء فالامثل ثم الامثل" کے ساتھ ملا کر پڑھئے اشخاص کے فرائض اداروں میں شریک ہو کر ختم نہیں ہوتے، بلکہ کچھ بڑھ جاتے ہیں، ادارہ نام ہے منتشر اشخاص کی "ہیئت اجتماعیہ" کا اس لئے جو فرائض اشخاص کے ہیں وہ ان کے مجموعہ کے بھی ہیں۔

مدارس کے کچھ فرائض اندرونی ہیں کچھ بیرونی، اندرونی سے مراد وہ کام ہیں، جو مدارس عربیہ کے اصحاب اور معلمین کو مدرسہ کے اندر انجام دینے چاہئے بیرونی سے مراد وہ خدمات ہیں، جن کا تعلق مدارس کی چار دیواری سے باہر کی دنیا سے ہے، ہم سب سے پہلے مدارس کے داخلی فرائض سے بحث کرتے ہیں، اور اپنی اہمیت کے لحاظ سے ان کو ترتیب سے ذکر کرتے ہیں۔

(۱) **ذہنی تشکیل** اہلِ علم جانتے ہیں کہ "اسلام" ایک مخصوص "عقلیت" ہے، جو خاص تعلیم و تربیت، خاص ماحول اور اہتمام سے پیدا ہوتی ہے یہ ضروری نہیں کہ مسلمان قومیت کا ہر فرد اسلامی ذہن بھی رکھتا ہو جن لوگوں کی اسلام کی ذہنی تاریخ پر نظر ہے، وہ جانتے ہیں کہ بہت سے اسلامی عہدوں میں مسلمان جسم ایں

جاہلی دماغ ترکیب پاگیا ہے اور اب تو یہ ذہنی امتزاج اور عقلی پیوند بندی بہت عام ہے، ہم کو یہ خطرہ ہے کہ زندگی کے متعلق غیر اسلامی تصوّرات اور سیاسیات و معاشرت کے غیر اسلامی نظریات جن کے اثر سے اس وقت بر و بحر اور علم کلام کے الفاظ میں "شواہق جبال" کے رہنے والے محفوظ نہیں ہیں، حمل ونقل، نشر و اشاعت کے وسائل پروپیگنڈے کے جدید طریقوں اور اختلاط و اجتماع کے امکانات کی کثرت کی وجہ سے مدارس کی محفوظ دنیا میں بھی پہونچ رہے ہیں، اور یہ دینی نظام اور مذہب کے مستقبل کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔

ذہنی تشکیل سے ہماری مراد اس کا وسیع مفہوم ہے اس سلسلہ میں عقائد بھی آتے ہیں، حقائق بھی اور طرز فکر اور نقطۂ نظر بھی۔

یہ ضروری ہے کہ اہلِ سنت کے متفق علیہ عقائد، طالب علم کے دماغ کی گہرائیوں میں اس طرح اتار دیئے جائیں کہ پھر ان کے نکلنے کا خطرہ نہ رہے، اس کا دماغ الحاد کے ادنیٰ شائبہ اور انحراف سے محفوظ کر دیا جائے، اس کو اسلامی عقائد پر راسخ اور غیر متزلزل یقین ہو اس کی قوت و استحکام مدارس کی کامیابی، مستقبل کی تعمیر، اور "اُمّت مسلمہ" کی فلاح، عقائد کی ایسی ہی پختگی یقین کے اسی استحکام پر موقوف ہے۔ زندگی اور اس سے بڑھ کر فتح و تسخیر کے لئے یقین محکم سے زیادہ کوئی چیز اہم اور شک و تذبذب سے زیادہ کوئی مرض مہلک و خطرناک

نہیں یہی "وہ ایمان" ہے جو اسلامی جسم کا خون زندگی اور روح ہے، اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر امت کے پورے قصر کی تعمیر ہے۔

اسلامی حقائق میں سے ہم صرف چند حقیقتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں؛ پہلی حقیقت یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا بتایا ہوا راستہ انسانیت کی منزلِ مقصود کا تنہا راستہ ہے' انسانوں کا قافلہ دشت میں بھٹکا ہوا ہے' اور ناپیدا کنار سمندر میں راستہ بھولا ہے' اور روشنی کا مینار صرف اسلام ہے' انسانیت نزع کے عالم میں ہے' اور آبِ حیات صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جام میں ہے' اخلاق و معاشرت مذہب و سیاست کا جو نظام آپ نے پیش کیا زندگی کا وہی تنہا نظام ہے' اس نظام کا ہر متقابل نظام، ضلالت و گمراہی اور حماقت و سفاہت ہے۔ غیر اسلامی نظامِ زندگی کی غلطی اور خرابی کا یقین بھی اسی قوت کا ہونا چاہیئے جس قوت کا یقین اسلامی نظام کی درستی اور برتری کا ہے لا الٰہ کی نفی میں بھی وہی شدت و قوت ہونی چاہیئے جو الا اللہ کے اثبات میں ضروری ہے اسلامی نظام پر ایمان لانے اور اس کے الہامی ماننے کا تقاضا ہی یہی ہے کہ ہر متوازی نظام کا انکار کیا جائے فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ایمان کے اعلان کے ساتھ یہ اعلان بھی کیا تھا كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ (اے منکرین حق) ہم تمہارے منکر ہیں اور ہمارے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا ہو گیا ہے كَفَرْنَا بِكُمْ کے اس جملہ میں بت شکنی کی وہی روح کام کر رہی ہے' اور

توحید خالص کی وہی سطوت وجلال اور وہی جذب واستغراق ہے جو آپ پر اس وقت طاری ہوا، جب آپ اپنے گرز سے آذر کے بت خانہ میں بتوں کو توڑ رہے تھے بلکہ یہ باتی جملہ اس ضرب سے بڑھا ہوا ہے، اس ضرب میں آپ نے قوم کے باطل معبودوں کو توڑا تھا لیکن اس ایک ضرب میں آپ نے اُن کے تمام باطل دیوتاؤں، اور ذہنی وروحانی بتوں کو پاش پاش کر دیا، اہلِ ذوق اس جملہ کی گہرائی اور وسعت تک پہونچ سکتے ہیں، آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تمھارے عقائد، اور تمھارے بتوں کا انکار کیا بلکہ فرمایا کہ ہم سراسر تمھارے منکر ہیں، اس میں ان کا پورا نظام زندگی اور پورا فلسفۂ زندگی آگیا۔

عوام کے مقابلہ میں علماء کا یہ امتیاز ہونا چاہیے کہ وہ اسلامی نظام سے دوسرے نظاموں کا تقابل کر کے اسلامی نظام کی برتری کو علمی حیثیت سے بھی سمجھتے ہوں اور اس علم وتحقیق سے ان کے ایمان، اسلامی نظام کی محبت وترجیح اور غیر اسلامی نظاموں کی نفرت میں اور اضافہ ہونا چاہیے۔

اس علم ونظر سے بڑھ کر ان کو دنیا میں اس نظام کو قائم کرنے کا جذبہ اور ولولہ ہو اور وہ اس کے پرجوش داعی اور مبلغ ہوں، اور ان میں اس کے لئے قربانی اور ایثار کا جذبہ ہو، بات بڑی ہے لیکن حق ہے کہ ان کو اس کا ایسا جذبہ اور اس کی ایسی سچی لگن ہو جیسے اس شخص کو ہوتی ہے جو یہ دیکھ رہا ہو کہ گھر میں آگ لگی ہوئی ہے سب بے خبر ہیں اور پانی صرف اسی کے پاس ہے اور صرف اسی صورت میں کسی

انقلاب و اصلاح کی امید ہو سکتی ہے، کم سے کم ان کو اس نظام کی تبلیغ و قیام کا اتنا جوش اور اس کے لئے قربانی کا اتنا جذبہ تو ضرور ہونا چاہیے جتنا باطل نظاموں کے حامیوں اور مبلغوں کو ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بار بار کہنے کی ہے کہ اسلام کے نظام کی محافظ اور صحیح ہمدرد صرف علماء اور اہلِ دین کی جماعت ہے، اور اسلامی تاریخ میں اس کا تجربہ بار بار ہوا، بادشاہوں، شاہی خاندانوں، اور حکومت کے دعویداروں کی جنگوں اور آویزشوں میں لوگ بھول جاتے ہیں کہ ان جنگوں کی تہ میں بعض اوقات اصول اور زندگی کے فلسفوں کی باہم آویزش اور کشمکش کام کر رہی تھی، ایک فلسفہ یہ تھا کہ مذہب کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہو زندگی اور معاشرت مذہب کے تابع ہو، مذہبی قوانین و احکام اور خدا کے حدود و تعزیرات نافذ ہوں، مادّیت و بہیمیت مغلوب ہو، عیش و عشرت اور اسراف کم ہو، اخلاقی اصلاح ہو، شخصی آزادی کے حدود مقرر ہوں مذہب میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ ہو، اس فلسفہ کے داعی اور حامی اُمّت کا دیندار طبقہ اور علمائے دین تھے، دوسرا فلسفۂ زندگی یہ تھا کہ اقتدار اعلیٰ آزاد ہو، زندگی اور معاشرت مذہب و اخلاق کے پابند نہ ہوں کسریٰ و قیصر کے طرز کی سلطنت ہو، دنیا میں زیادہ سے زیادہ تمتع اور لطف اندوزی کا موقع ملے، بادشاہ کی آزادی غیر محدود اور رعیت صرف اخلاقی طور پر آزاد (یعنی محرمات و منکرات کے ارتکاب میں اس سے کوئی تعرض نہ ہو اور

کسی قسم کی اخلاقی پابندی نہ ہو) اور ہر طرح سے غلام ہو معاشرت و اجتماع کی ہر قسم کی غیر اسلامی تشکیل اور مذہب میں ہر زمانہ کے مطابق ترمیم اور غیر مقید تجدد ہو سکتا ہے، اس فلسفہ کے حامی دنیا دار امراء و سلاطین اور مسلمانوں کا غیر تربیت یافتہ طبقہ تھا، یہ دونوں فلسفے خلافت راشدہ کے بعد سے اس وقت تک موجود ہیں اور آخر الذکر فلسفہ اور نظام حیات کے حامیوں کی ہر زمانہ میں اکثریت رہی ہے، اس حقیقت پر بھی علماء کی نظر ہر وقت رہنی چاہیئے کہ مسلمانوں کی کامل اور صحیح قیادت کے اہل صرف وہ ہو سکتے ہیں، اور مسلمانوں کی متوازن اور متناسب ترقی صرف انھیں کی رہنمائی میں ہو سکتی ہے خلفاء راشدین اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور حکومت اس بات کا بہترین شاہد ہے، دین و سیاست کی فصل و تفریق اور اہل دین و اہلِ سیاست کی تقسیم کا جاہلی نظریہ اور علماء کی قطعی سیاسی و دنیاوی نا اہلیت کا خیال، مسیحی ذہنی ورثہ کے علاوہ مخالف دین جماعتوں اور اشخاص کے پروپیگنڈے کا نتیجہ ہے، علماء کو اپنے فہم و تدبّر، اپنے ایثار و قربانی اپنی قوت عمل اپنے اخلاص وللّٰہیت اور اپنی سیرت کی پختگی اور استقامت سے غیر دینی عناصر کو پیچھے ہٹا کر مسلمانوں کی زندگی پر غلبہ اور نفوذ حاصل کر لینا چاہیئے، قوتِ عمل اور ایثار میں مسلمانوں کی دوسری جماعت ان کی حریف نہیں ہو سکتی اس لئے ان کو جماعتی اقتدار اور عصبیت جاہلیت کی بنا پر نہیں بلکہ اسلامی نظام کی اور اسلام کے قدیم اور مستند معیار زندگی کو قائم کرنے کے لئے اور اس کے شباب رفتہ کو واپس

لانے کے لئے اپنی قربانیاں پیش کرنی چاہئیں، اور اس مقصد سے میدان میں آنا چاہیے، اس کام کے لئے جس علمی وذہنی تیاری اور تربیت کی ضرورت ہے مدارس کو اس سے ہرگز غفلت نہیں کرنی چاہیئے اس کی کوشش کرنی چاہیئے کہ زندگی کے کسی اہم اور مؤثر شعبہ میں غیر دیندار اور غیر علماء کی رہنمائی کی ضرورت نہ پیش آئے، اور حتی الامکان علماء نظر انداز اور فراموش نہ ہونے پائیں، اور ان کی رہنمائی اور امداد سے استغنا نہ پیدا ہونے پائے، غیر دیندار جماعتوں اور ملحدوں نے انھیں نازک راستوں سے امت کے دماغوں پر استیلا اور ان کی روزمرہ زندگی پر نفوذ حاصل کیا، اسی بناء پر امام غزالیؒ نے اپنے زمانے کے علماء اور طلبہ کو جو غیر ضروری علوم میں مشغول تھے یہ کہہ کر فن طب کی طرف متوجہ کیا ہے کہ ہمارے بڑے بڑے اسلامی شہروں میں غیر مسلم یہودی اور نصرانی طبیب ہیں، اور مسلمان ان کے محتاج اور ان سے متأثر ہوتے ہیں۔[1]

اس سلسلہ میں جن جدید علوم والسنہ کی ضرورت ہو، علماء کو بلا تامّل اُن کی طرف توجہ کرنی چاہیئے، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ سب تمام تر دین کی خدمت وحفاظت اور مذہب کے فروغ کے لئے ہو، اس وقت یہ جہاد ہوگا، اور یہ تیاری وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ میں داخل ہوگی، ان عقائد وحقائق کے علاوہ طریق فکر، طریق بحث، مباحث ومسائل میں نقطۂ نگاہ زندگی

---

[1] احیاء العلوم

کا مقصد و معیار اور روح خالص اسلامی ہونی چاہئے اُن کے نزدیک آخرت دنیا پر مقدم ہو، مادّیت کا غلبہ ان پر نہ ہونے پائے، ہر چیز میں نیت خدا کی رضا اور اس کے نام کی بلندی ہو، یہ متاع کارواں ہے اور اس کی گم شدگی سے جماعت علماء کا امتیاز جاتا رہے گا۔

(۲) سیرت کی تعمیر، زندگی کی کشمکش میں ایمان و یقین کے بعد سب سے ضروری چیز، پختہ سیرت اور بلند اخلاق ہیں، قومیں اور جماعتیں انھیں دونوں بنیادوں پر دوسری قوموں اور جماعتوں پر فتح پاتی ہیں، خود مسلمانوں نے قرن اول میں اپنی معاصر و حریف قوموں پر جو تعداد میں اسلحہ میں، مادّی ساز و سامان میں ان سے کہیں بڑھی ہوئی تھیں، ایمان و اخلاق ہی کی خصوصیتوں کی بناء پر فتح پائی آج بھی اشخاص اور جماعتوں کے پرواز کے لئے یہی دو بازو ہیں بڑے سے بڑا علم حسن سیرت کے بغیر ناکافی بلکہ اپنے اور دوسروں کے لئے فتنہ اور مضر ہے، اہلِ علم و نظر کے سامنے خصوصًا ایسے زمانہ میں جس میں علم بڑھتا جا رہا ہے اور سیرت و اخلاق میں روز افزوں انحطاط ہے، اور جبکہ غیر مذہبی درسگاہوں کے طلبہ و فضلا کے اخلاق اپنی درسگاہوں کے لئے، اداروں کے لئے، سوسائٹی اور خاندانوں کے لئے وبال جان بنتے جا رہے ہیں، اس حقیقت کی زیادہ توضیح و تشریح کی ضرورت نہیں، طلبہ کو مستقبل قریب میں زندگی کے جس معرکہ اور جماعتوں اور اصولوں کی جس رزم آرائی میں شرکت کرنی ہے، اس میں اپنے اصولوں کی دعوت و تبلیغ

کے لئے اپنے مذہب وجاہت کے وقار کے لئے جس قدر بے داغ سیرت، اعلیٰ کیرکٹر بلند ہمت، استغنا، خودداری اور نزاہت کی ضرورت ہے کسی چیز کی نہیں، ان ہتھیاروں سے وہ زندگی کا بڑے سے بڑا معرکہ فتح کر سکتے ہیں، اور ہمارا خیال ہے کہ اس میں ہمارے مدارس کے فضلا غیر مذہبی لوگوں سے زیادہ کامیاب ہو سکتے ہیں، اس لئے کہ ہمارا مشاہدہ اور بار بار کا تجربہ ہے کہ گہری مذہبیت اور اچھی صحبت وتربیت کے بغیر اعلیٰ اور مستحکم سیرت نہیں پیدا ہوتی، اور اس کا سامان اس عام مذہبی واخلاقی تنزل کے زمانہ میں بھی غنیمتاً عربی مدارس میں ہے، دوسری جگہ ناپید ہے۔

اس کے ساتھ اس حقیقت کے بھی اظہار کی ضرورت ہے کہ علماء کی دینی سطح عوام کی سطح سے بلند ہونی چاہئے تب ہی وہ موثر ہو سکتے ہیں، عوام میں دینداری پیدا کرنے کے لئے، ان میں مذہب کا رنگ اس کا ذوق وشوق پیدا کرنے کے لئے اور ان کے عقائد واعمال ورسوم کی اصلاح کے لئے گہرے اور شوخ مذہبی رنگ، جذب وشوق اور تجدیدی واصلاحی رنگ کی ضرورت ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر علماء کا خاص فریضہ اور ان کا مقصد آفرینش ہے، اس میں ان کو تساہل سے کام نہیں لینا چاہئے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ الخ کے مصداق اگر علماء نہ ہوں تو کون ہو سکتا ہے؟

اس بارے میں ان کو حضرت مجدد سرہندیؒ حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا نمونہ سامنے رکھنا چاہیئے، جن کی توجہ اور ہمت سے ہندوستان میں عظیم الشان دینی انقلاب رونما ہوا، جو دوسرے ممالک کے لئے قابل رشک ہے۔

# علماءِ ربّانی، اُن کا منصب اور اُن کے کام کی نوعیّت

علماءِ حق، حضرات انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام کے وارث و جانشین ہیں "العلماء ورثۃ الانبیاء" (صحیح بخاری) اُن کی وراثت اور نیابت اسی وقت صحیح اور مکمل ہوگی، جب ان کی زندگی کا مقصد اور ان کی کوششوں کا مرکز وہی ہوگا جو انبیاءِ کرام کا تھا، وہ مقصد زندگی اور وہ مرکز سعی و عمل کیا ہے؟ دو لفظوں میں اقامتِ دین، یا ایک لفظ میں توحید یعنی انسانوں کو اختیاراً اور عملاً اسی طرح سے اللہ کا "عبد" بنانا جیسا کہ وہ فطرتاً اور اضطراراً اس کے عبد ہیں، اللہ کی حکومت اور قانون کو انسانوں کے جسموں اور ان کی متعلقہ زمین پر قائم کرنے کی کوشش کرنا جیسا کہ وہ زمین و آسمان پر قائم ہیں۔

| | |
|---|---|
| وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ | اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی پیغمبر |
| مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ | نہیں بھیجا، مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ |

| | |
|---|---|
| اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا | میرے سوا کسی کی بندگی نہیں، |
| فَاعْبُدُوْنِ ۝ (انبیاء ع ۲) | پس میری ہی بندگی کرو۔ |
| هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ | وہ ہے جس نے اپنا رسول رہنمائی |
| بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ | اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ |
| لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ | اس کو سب دینوں (تمام قسم |
| وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ | کے نظام اطاعت) پر غالب |
| (صف - ع ۱) | کرے، اگرچہ شرک کرنے والوں کو |
| | یہ ناگوار ہو۔ |

اس دین حق کے لئے ہر زمانہ میں چند موانع اور مزاحم ہوتے ہیں، جن میں سے اکثر ان چار اقسام میں داخل ہیں،

**شرک** یعنی غیر اللہ کو الٰہ بنا لینا، اللہ کے سوا کسی ہستی کو ما فوق الطبعی طور پر ضار اور نافع مان لینا اس کو کائنات میں متصرف اور مؤثر تسلیم کر لینا۔ اخضاع و التجا (پناہ جوئی) اور خوف و رجا اس عقیدہ کے بالکل قدرتی اور طبعی نتائج و لوازم ہیں اور دعا و استعانت اور خضوع (جو عبادت کی حقیقت ہے) اس کے لازمی مظاہر ہیں۔

**شرک**۔ ایک مستقل دین اور ایک مکمل حکومت ہے اس کا اور دین اللہ کا کسی ایک جسم یا دل و دماغ یا خطۂ زمین پر ایک ساتھ قائم ہونا ناممکن ہے،

یہ غیر الٰہی دین جسم و نفس اور جسم و نفس سے خارج اتنی ہی جگہ گھیرتا ہے جتنی دین اللہ کو کم سے کم درکار ہے۔

| | |
|---|---|
| وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ | بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے برابر |
| مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا | اوروں کو بناتے ہیں، ان کی |
| يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ط | محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی |
| (البقرہ۔ع ۲۰) | محبت اللہ کی۔ |
| قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا | مشرکین نے کہا خدا کی قسم ہم |
| لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِذْ | کھلی ہوئی گمراہی میں تھے جو تم کو |
| نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ | (معبودوں کو) سارے جہانوں |
| (شعراء ع ۵) | کے پروردگار کے برابر کرتے تھے، |

اس لئے جب تک زمین سے شرک کی تمام جڑیں اور اس کی باریک سے باریک رگیں بھی اکھاڑ نہ دی جائیں اُس وقت تک دین اللہ کا پودہ لگ نہیں سکتا، اس لئے کہ یہ پودہ کسی ایسی زمین میں جڑ نہیں پکڑتا جس کی مٹی میں کسی اور درخت کی کوئی جڑ ہو یا کوئی اور تخم ہو، اس کی شاخیں اسی وقت آسمان سے باتیں کرتی ہیں اور یہ درخت اسی وقت پھلتا پھولتا ہے جب اس کی جڑ گہری اور مضبوط ہو۔

| | |
|---|---|
| اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ | تم نے نہ دیکھا اللہ نے کیسی ایک مثال |

مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ط (ابراہیم۔ ع ۴)

بیان کی پاکیزہ بات (کلمۂ طیبہ وغیرہ) ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں اپنا پھل لاتا ہے، ہر وقت اپنے رب کے حکم سے۔

یہ درخت کسی دوسرے درخت کے سایہ میں بڑھ نہیں سکتا، یہ جہاں رہے گا تنہا رہے گا، اس کے طبعی نشو ونما کے لئے لامتناہی فضا چاہیئے۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ۔ (زمر ع ۱)

یاد رکھو اللہ ہی کی تنہا تابعداری ہے۔

پس جو لوگ دین اللہ کی فطرت اور اس کے مزاج سے واقف ہوتے ہیں وہ اس کو کسی جگہ قائم کرنے کے لئے زمین کو پورے طور پر صاف اور ہموار کرتے ہیں؛ وہ شرک اور جاہلیت کی جڑیں اور رگیں چن چن کر نکالتے ہیں اور ان کا ایک ایک بیج بن بن کر پھینکتے ہیں اور مٹی کو بالکل اُلٹ پلٹ دیتے ہیں، چاہے ان کو اس کام میں کتنی ہی دیر لگے اور کیسی ہی زحمت اُٹھانی پڑے، اور چاہے ان کی دن رات کی اس کوشش اور عمر بھر کی اس جدوجہد کا حاصل حضرت نوحؑ کی طرح چند نفوس سے زیادہ نہ ہو، اور چاہے بعض پیغمبروں کی طرح ان کی ساری زندگی کا

سرمایہ صرف ایک شخص ہو، لیکن وہ اس نتیجہ پر قانع اور اس کامیابی پر مسرور ہوتے ہیں اور نتیجہ کے حصول میں کبھی عجلت اور بے صبری سے کام نہیں لیتے۔

کفر یعنی اللہ کے دین اور اس کی شریعت کا انکار، یہ انکار اس کی حکومت سے بغاوت اور اس کے احکام سے سرتابی ہے خواہ کسی طریقہ اور علامت سے ظاہر ہو۔

اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں، جو اللہ اور رسول ؐ کے احکام میں سے کسی حکم کو بھی یہ جان لینے کے بعد کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے نہیں مانتے یا زبان سے تو انکار نہیں کرتے، مگر جان بوجھ کر اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں؛ ایسے لوگ خواہ دوسرے احکام کے پابند ہوں اس دائرہ سے خارج نہیں؛ اللہ تعالیٰ یہودیوں کو مخاطب کرکے کہتا ہے۔

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ج فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (البقرہ ع ۱۰)

کیا کتابِ الٰہی کے ایک حصہ کو مانتے ہو، دوسرے حصہ کو نہیں مانتے، تو اس کی کیا سزا ہے جو تم میں سے یہ کام کرتا ہے، سوائے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے اور قیامت کے دن وہ پہونچائے جائیں سخت سے

سخت عذاب میں اور اللہ تمھارے
کاموں سے بے خبر نہیں۔

صرف اللہ کی خداوندی اور حاکمیت کے اقرار سے طبعی طور پر خداوندی اور حاکمیت کے تمام دعویداروں کی خداوندی اور حاکمیت کا انکار ہو جاتا ہے، لیکن جو اشخاص خداوندانِ باطل کی خداوندی اور حاکمیت کا صاف صاف انکار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے یا دوسرے الفاظ میں انھوں نے اس قبلہ کی طرف منھ تو کر لیا ہے لیکن دوسرے قبلوں کی طرف ان سے پیٹھ بھی نہیں کی جاتی، دینِ الٰہی کے مقابلہ میں دنیا میں جو نظامِ حاکمیت قائم اور شریعت الٰہی کے مقابلہ میں جو قوانین نافذ ہیں ان سے منحرف نہیں ہوا جاتا وہ کبھی کبھی ان پر بھی عمل کر لیتے ہیں، اور بوقت ضرورت ان کی طرف رجوع کر لیتے ہیں، وہ درحقیقت اسلام میں داخل نہیں ہوئے، ایمان باللہ کے لئے "کفر بالطاغوت[1]" ضروری ہے، اور اللہ نے اس کو ایمان پر مقدم کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ | جو سرکش کا انکار کرے اور اللہ |
| وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ | پر ایمان لائے اُس نے مضبوط |
| بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۔ (بقرہ ع ۲۴) | حلقہ پکڑ لیا۔ |

---

[1] طاغوت ہر وہ ہستی ہے جس کی خدا کے مقابلہ میں اطاعت مطلق کی جائے (الطاغوت عبارۃ عن کل متعدٍ کل معبود من دون اللہ امام راغب اصفہانی) خواہ وہ شیطان ہو یا سلطان یا معمولی انسان۔

اس لئے قرآن نے ایسے اشخاص کا دعویٰ ایمان تسلیم نہیں کیا جو غیر الٰہی قوانین، ان کے نمائندوں اور ان کے مرکزوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کو اپنا حکم اور ثالث بناتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| ۱ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ | تم نے ان لوگوں کو نہ دیکھا، جو |
| أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ | دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس پر |
| إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ | ایمان لائے جو آپ کی طرف |
| يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا | اُتارا گیا اور جو آپ سے پہلے |
| إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا | اُتارا گیا، چاہتے ہیں کہ قضیہ |
| أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ط وَيُرِيدُ | لے جائیں سرکش کی طرف |
| الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ | حالانکہ ان کو حکم ہو چکا ہے کہ |
| ضَلَالًا بَعِيدًا ○ | اس کا انکار کریں اور شیطان |
| (النساء - ع ۹) | چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر دور |
| | جا ڈالے |

اس کفر کی لو ان اشخاص سے بھی نہیں نکلی جو مسلمانوں کے دائرے میں

---

۱ یہ آیت ترمذی کی روایت کے مطابق اس منافق کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اپنے ایک مقدمہ میں (جس کا دوسرا فریق ایک یہودی تھا) مشہور یہودی رئیس اور عالم کعب بن الاشرف کو قاضی اور حکم بنایا تھا۔ (ترمذی کتاب التفسیر)

آجانے کے بعد بھی "جاہلیت" سے منحرف اور عقائد و رسوم جاہلیت سے بے تعلق نہ ہوسکے، ان کے دلوں سے ابھی تک ان چیزوں کی نفرت اور کراہت نہیں گئی، اور ان کاموں کی تحقیر نہیں نکلی، جن کو جاہلیت بُرا سمجھتی ہے، ان سے نفرت اور ان کی تحقیر کرتی ہے، خواہ وہ اللہ کے دین میں پسندیدہ اور مستحب ہوں، اور اللہ کے رسولؐ کی محبوب سنّت ہوں۔

اسی طرح ان کے دلوں سے ابھی تک ان اعمال و اخلاق اور رسوم و عادات کی محبت اور عزّت دُور نہیں ہوئی جو اہلِ جاہلیت کے نزدیک محبوب و معزّز ہیں، خواہ وہ اللہ کی شریعت میں مکروہ اور حقیر ہوں۔

اسی طرح جن کے دلوں سے ابھی تک جاہلی حمیت اور عصبیت دُور نہیں ہوئی، اور ان کا عمل جاہلیت عرب (اور درحقیقت ہر جاہلیت) کے اس مقبول و مسلّم اصول پر ہے کہ "اُنصر اَخاكَ ظالمًا او مظلومًا" اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرو خواہ ظالم ہو خواہ مظلوم، اس سے زیادہ نازک بات یہ ہے کہ اسلام کو اختیار کرلینے کے بعد بھی یا مسلمان کہلانے کے باوجود بھی حسن و قبح کا معیار وہی ہو جو جاہلیت میں ہوتا ہے اشیاء کی قیمت وہی ہو جو جاہلیت نے قائم کردی ہے، زندگی کی انھیں قدروں اور انھیں معیاروں کی وقعت ہو جو جاہلیت تسلیم کرتی ہے۔

اسلام کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ کفر اور اس کے پورے ماحول، اس کے تمام متعلقات، اس کی تمام خصوصیات اور شعائر سے نفرت پیدا ہوجائے، اور

اس کی طرف واپسی اور اس میں مبتلا ہو جانے کے تصور سے آدمی کو تکلیف ہو، اور ایمان کی پختگی یہ ہے کہ وہ کفر کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کام کے مقابلہ میں موت کو زیادہ پسند کرتا ہو، بخاری کی حدیث ہے۔

| | |
|---|---|
| ثلث من کن فیہ وجد | تین باتیں جس شخص میں ہوں گی اس کو |
| حلاوۃ الایمان ان یکون | ایمان کی حلاوت محسوس ہوگی، ایک |
| اللہ ورسولہ احب الیہ | یہ کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے |
| مما سواھما وان یحب | ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں، |
| المرء لا یحبہ الا للہ وان | دوسرے یہ کہ کسی دوسرے انسان |
| یکرہ ان یعود فی الکفر کما | سے صرف اللہ ہی کے لئے محبت ہو |
| یکرہ ان یقذف فی النار | تیسرے یہ کہ کفر میں جانا اس کے لئے اتنا ہی ناگوار ہو جتنا آگ میں ڈالا جانا۔ |

صحابۂ کرام کی کیفیت یہی تھی، ان کو اپنے زمانۂ سابق (جاہلیت) سے شدید نفرت پیدا ہو گئی تھی، ان کے نزدیک "جاہلیت" سے بڑھ کر کوئی توہین نہ تھی، وہ جب اپنے اسلام لانے سے پہلے کے زمانہ کا تذکرہ کرتے تو نہایت شرمندگی اور نفرت کے ساتھ اس زمانہ کی تمام باتوں اعمال و اخلاق اور کفر و فسق اور اللہ کی نافرمانی سے ان کو نہ صرف شرعی اور عقلی، بلکہ طبعی کراہت تھی، اللہ تعالیٰ اُن کی

یہ صفت اس طرح بیان کرتا ہے :۔

| | |
|---|---|
| وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ | لیکن اللہ نے تمہارے دل میں |
| الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىْ قُلُوْبِكُمْ | ایمان کی محبت ڈال دی اور اس کو |
| وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ | کھبا دیا، تمہارے دلوں میں اور |
| وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ | نفرت ڈال دی تمہارے دل میں |
| (حجرات ۔ ع ۱) | کفر اور گناہ و نافرمانی کی ۔ |

جاہلیت کی ایک علامت یہ ہے کہ جب اللہ و رسولؐ کا کوئی حکم سنایا جائے تو قدیم رسم و رواج اور باپ دادا کے طور طریق کا نام لیا جائے اور اللہ و رسولؐ کے مقابلہ میں گذشتہ زمانہ اور پرانے دستور کی سند پیش کی جائے ۔

| | |
|---|---|
| وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ | جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم |
| اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ | کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا |
| نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ | ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی راستہ کی |
| اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ | پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے |
| اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ | باپ دادوں کو پایا ہے، اگرچہ ان کے |
| شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ | باپ دادے نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی |
| (البقرہ ۔ ع ۲۱) | اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ ۔ |
| بَلْ قَالُوْآ اِنَّا وَجَدْنَآ | بلکہ کہتے ہیں کہ ہم نے پایا اپنے باپ |

| | |
|---|---|
| اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّۃٍ وَّاِنَّا | دادوں کو ایک راہ پر اور ہم |
| عَلٰٓی اٰثٰرِھِمْ مُّھْتَدُوْنَ | انھیں کے نقش قدم پر ٹھیک |
| (زخرف ۔ ع ۲) | چل رہے ہیں ۔ |

اللہ کے حکم اور وحی کے مقابلہ میں اپنے باپ دادا کے عمل اور اپنی خواہش و مرضی کی پیروی کرنا خاص جاہلی دین ہے ۔

| | |
|---|---|
| قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ | انھوں نے کہا اے شعیب کیا تمھاری |
| تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ | نماز نے تم کو یہ سکھایا ہے کہ ہم |
| مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا اَوْ اَنْ | چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا |
| نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا | پوجتے رہے یا ہم چھوڑ دیں جو ہم |
| (ہود ۔ ع ۸) | اپنے مالوں میں اپنی من مانی باتیں |
| | کرتے رہتے ہیں ۔ |

پس ایسے تمام لوگ جاہلیت سے نکل کر اسلام میں پورے طور پر داخل نہیں ہوئے جو اللہ کے مقابلہ میں ہر چیز سے دستبردار نہیں ہوئے، اور جنھوں نے اپنے تئیں مکمل طور پر اللہ کے حوالے نہیں کیا، یہ مکمل دستبرداری اور تسلیم کامل وہ اسلام ہے جس کا حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا، اور انھوں نے اس کو قبول کیا ۔

| | |
|---|---|
| اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ | جب (ابراہیمؑ سے) ان کے رب |
| اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ | نے کہا کہ اپنے رب کے حوالے |

| | |
|---|---|
| لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ | ہوجاؤ، اور اس کی مکمل تابعداری |
| (بقرہ - ع ۱۶) | کرو انھوں نے کہا کہ میں نے اپنے |
| | تئیں سارے جہان کے پروردگار |
| | کے حوالے کر دیا۔ |

اور جس کا تمام مسلمانوں کو حکم ہے۔

| | |
|---|---|
| فَاِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ | تمھارا معبود و حاکم ایک ہی |
| فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ | معبود و حاکم ہے پس اسی کے حوالے |
| (حج - ع ۵) | ہوجاؤ اور مکمل تابعدار بن جاؤ۔ |

اگر یہ نہیں ہے تو گویا اللہ سے جنگ ہے۔ اس لئے اس مکمل اسلام کو ایک جگہ اللہ نے سِلم کہا ہے۔ یعنی یہ اللہ سے صلح ہے۔

| | |
|---|---|
| يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا | اے ایمان والو! داخل ہوجاؤ |
| ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً | صلح و اسلام میں پورے پورے |
| وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ | اور شیطان کے قدموں پر |
| الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ | مت چلو بیشک وہ تمھارا کھلا |
| عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝[۱] (بقرہ ع ۲۵) | دشمن ہے۔ |

---

[۱] مفسرین نے اس آیت کی شان نزول یہ بیان کی ہے کہ بعض مسلمانوں کو ایسی چیزوں کے کھانے پینے میں تأمل ہوا جو ان کے قدیم مذہب میں ان کے لئے (باقی ص۱۴۲ پر)

یاد رہے کہ جاہلیت سے مراد صرف بعثت نبویؐ کے قبل کی عرب کی زندگی ہی نہیں ہے بلکہ ہر وہ غیر اسلامی زندگی اور نظام ہے جس کا ماخذ وحی ونبوت اور کتاب الٰہی وسنت انبیاء نہ ہو، اور جو اسلام کے مسائل واحکامِ زندگی سے مطابقت نہ رکھتا ہو، خواہ وہ عرب کی جاہلیت ہو، یا ایران کی مزدکیت یا ہندوستان کی برہمنیت، یا مصر کی فرعونیت یا ترکوں کی طورانیت یا موجودہ مغربی تمدن، یا مسلمان قوم کی غیر شرعی زندگی اور ان کے مخالف شریعت رسوم وعادات، اخلاق وآداب اور میلانات وجذبات، خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید ماضی ہوں یا حال۔

کفر صرف ایک سلبی چیز نہیں ہے، بلکہ ایک ایجابی اور مثبت چیز بھی ہے، وہ صرف دین اللہ کے انکار کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ ایک مذہبی واخلاقی نظام اور مستقل دین ہے، جس میں اپنے فرائض و واجبات بھی ہیں، اور مکروہات ومحرمات بھی، اس لئے یہ دونوں دین ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے، اور ایک انسان ایک وقت میں ان دونوں کا وفادار نہیں ہوسکتا۔

---

(باقی صفحہ کا) جائز نہیں تھیں اور جن کے استعمال کے وہ عادی نہ تھے، یہ آیت اگرچہ عام اصول تفسیر کے مطابق کچھ اسی واقعہ سے مخصوص نہیں اور نہایت پرمعانی اور جامع آیت ہے جو تمام احکام اسلام پر مشتمل ہے لیکن اس سے اس پہلو کی بھی وضاحت ہوتی ہے جس کو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

انبیاء کرام کفر کی پوری بیخکنی کرتے ہیں، وہ کفر کے ساتھ کسی رواداری اور مصالحت کے روادار نہیں ہوتے، کفر کے پہچان لینے کا بھی ان کو بڑا ملکہ ہوتا ہے اور اس بارے میں ان کی نگاہ بڑی دوررس اور باریک بیں ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان کو اس بارے میں پوری حکمت اور عزیمت عطا فرماتا ہے، ان کی خداداد فراست اور بصیرت پر اعتماد کئے بغیر چارہ نہیں دین کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہیں کہ کفر و اسلام کی جو سرحدیں انھوں نے قائم کردی ہیں اور ان کے جو نشانات مقرر کردیے ہیں ان کی حفاظت کی جائے اس میں ادنیٰ تساہلی اور رواداری دین کو اتنا مسخ کر کے رکھ دیتی ہے جتنا یہودی، عیسائی اور ہندوستان کے مذہب مسخ ہوگئے۔

انبیاء کے صحیح جانشین بھی اس بارے میں انھیں کی فراست اور عزیمت رکھتے ہیں، وہ کفر کا ایک ایک نشان مٹاتے ہیں اور جاہلیت کا ایک ایک داغ دھوتے ہیں، کفر کا ادراک کرنے میں ان کی حس عوام سے بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے، کفر جس لباس میں اور جس صورت میں ظاہر ہو وہ اس کو پہچان لیتے ہیں اور اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں، کہیں ہندوستان جیسے ملک میں بیواؤں کے نکاح ثانی کو حرام سمجھنے اور اس سے شدید نفرت رکھنے میں ان کو کفر کی بو محسوس ہوتی ہے اور وہ اس کو رواج دیتے اور اس سنت کو زندہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات اس پر اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

کہیں قانون شریعت پر رواج کو ترجیح دینا اور بہنوں کو میراث نہ دینے پر اصرار کرنا، ان کو کفر معلوم ہوتا ہے اور وہ ایسے لوگوں کی مخالفت اور ان کا مقاطعہ فرض سمجھتے ہیں کبھی اللہ و رسولؐ کا صاف و صریح حکم سُن لینے کے بعد اس کو نہ ماننا اور غیر الٰہی عدالت اور غیر الٰہی قانون کے دامن میں پناہ لینا اور غیر اسلامی احکام و قوانین نافذ کرنا ان کو اسلام سے خروج کے مرادف معلوم ہوتا ہے، اور وہ مجبوری کی حالت میں وہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں کبھی کسی نو مسلم کے یا ایسے مسلمانوں کے جو ہندوؤں کی صحبت میں رہتے ہوں اور ان سے متأثر ہوں، گائے کا گوشت کھانے سے احتراز کرنے میں اور اس سے نفرت کرنے میں ان کو ایمان کی کمزوری، اور ان کے قدیم مذہب یا غیر مسلموں کی صحبت کا اثر نظر آتا ہے کبھی بعض حالات میں ایک سنت یا فعل جائز و مستحب کو وہ واجب اور شعائر اسلامی سمجھنے لگتے ہیں، اور ان کی زبان سے بے اختیار نکل جاتا ہے کہ "ذبح بقر در ہندوستان از اعظم شعائر اسلام است[1]" کبھی وہ غیر مسلموں کے رسوم و عادات اور ان کی تہذیب اور وضع و لباس اختیار کرتے اور ان سے تشبہ پیدا کرنے کی شدّومد سے مخالفت کرتے ہیں اور کبھی ان کی مذہبی تقریبات اور تہواروں میں شرکت کی ممانعت کرتے ہیں۔

غرض کفر یا کفر کی محبت یا اُس کی اعانت جس لباس اور جس صورت

---

[1] مکتوبات امام ربّانی مجدد الف ثانیؒ

میں جلوہ گر ہوا اور اس کی روح جس قالب میں بھی ظاہر ہو وہ اس کو فوراً بھانپ لیتے ہیں، ان کو اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا اور اس کی مخالفت کرنے میں کوئی مصلحت ان کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی، وہ کفر کو مخاطب کرکے کہتے ہیں ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم

ان کے زمانہ کے کوتاہ نظر یا رند مشرب و صلح کل جو دیر و حرم، کعبہ و بت خانہ میں فرق کرنا ہی کفر سمجھتے ہیں، ان کی تضحیک کرتے ہیں اور تحقیر کے ساتھ ان کو فقیہ شہر، محتسب، واعظ، اور "خدائی فوجدار" کا لقب دیتے ہیں، لیکن وہ اپنا کام پورے اطمینان و استقلال کے ساتھ کرتے رہتے ہیں، اور کوئی شبہ نہیں کہ پیغمبروں کے دین کی حفاظت ہر زمانے میں انھیں لوگوں نے کی ہے، اور آج اسلام یہودیت و عیسائیت اور ہندویت سے ممتاز تشکل میں جو نظر آتا ہے، وہ انھیں کی ہمت و استقامت اور تفقہ کا نتیجہ ہے،

جزاهم الله عن الاسلام و وليه و نبيه خير الجزاء۔

**بدعت**۔ کسی ایسی چیز کو جس کو اللہ و رسول ؐ نے دین میں شامل نہیں کیا ہے، اور اس کا حکم نہیں دیا، دین میں شامل کر لینا اور اس کا ایک جزء بنا دینا اس کو ثواب اور تقرب الی اللہ کے لئے کرنا اور اس کی کسی خود ساختہ یا اصطلاحی تشکل اور وضع کئے ہوئے شرائط و آداب کی اسی طرح پابندی کرنا جس طرح ایک

شرعی حکم کی پابندی کی جاتی ہے، بدعت ہے۔

شرک وکفر (جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے) اگر مستقل دین ہیں تو بدعت مستقل شریعت ہے، اور شرک وکفر اگر اسلام کے مقابلہ میں خارج کی چیزیں ہیں تو بدعت دین الٰہی کے اندر شریعت انسانی کی تشکیل ہے، جو اندر اندر نشوونما پاتی رہتی ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات (اگر اس کو آزادی کے ساتھ نشوونما پانے کا موقع دیا جائے) اصل شریعت سے دوچند وسہ چند ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ شریعت الٰہی کی ساری جگہ اور انسان کے سارے وقت کو گھیر لیتی ہے، اس شریعت کی فقہ الگ ہے، اس کے فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات مستقل ہیں اور بعض اوقات تعداد میں شریعت الٰہی کے احکام سے کہیں زیادہ۔

بدعت سب سے پہلے اس حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے کہ تشریع (قانون سازی) اللہ کا حق ہے، کسی چیز کو قانونی حیثیت دینا، اس کی پابندی ضروری قرار دینا، یہ منصب صرف شارع (اللہ) کا ہے، انسانی قانون سازی، اسی منصب الٰہی کے خلاف بغاوت ہے، اسی لئے قانون ساز انسان کو قرآن "طاغوت" کہتا ہے،

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ط

لیکن کسی چیز کو دین وشرع قرار دینا اور اس کو کسی خاص شکل اور شرائط کے ساتھ قربت خداوندی اور اجر وثواب کا ذریعہ قرار دینا تو اس سے بھی بڑھ کر بات ہے، یہ تو شریعت سازی ہوئی، اور قرآن کہتا ہے کہ دین وشرع

قرار دینا اللہ ہی کا کام ہے۔

| | |
|---|---|
| شَرَعَ لَکُمْ مِنَ الدِّیْنِ | تمہارے لئے دین کی وہی راہ |
| مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْ | مقرر کی جس کا حضرت نوح کو |
| اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ۔ | حکم دیا تھا، اور ہم نے آپ کی |
| (شوریٰ۔ ع ۲) | طرف حکم بھیجا۔ |

اہل عرب نے جب اپنی طرف سے تحلیل وتحریم کا کام شروع کیا اور مستقل احکام جاری کئے تو قرآن نے ان پر یہی جرح کی۔

| | |
|---|---|
| اَمْ لَہُمْ شُرَکَآءُ شَرَعُوْا | کیا ان کے کچھ شریک ہیں جنھوں نے |
| لَہُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ | ان کے لئے ایسا دین بنایا جس کا |
| یَاْذَنْ بِہِ اللّٰہُ (شوریٰ ع ۳) | اللہ نے حکم نہیں دیا تھا۔ |

یہ اللہ کی اجازت کے بغیر دینی قانون سازی کیا تھی، اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

| | |
|---|---|
| وَقَالُوْا ھٰذِہٖٓ اَنْعَامٌ وَّ | اور انھوں نے کہا کہ یہ مویشی اور |
| حَرْثٌ حِجْرٌ لَّا یَطْعَمُھَآ | کھیتی ممنوع ہے اس کو صرف |
| اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِہِمْ | وہی کھائیں گے جن کو ہم چاہیں |
| وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُھُوْرُھَا | اپنے خیال کے مطابق اور یہ |
| وَاَنْعَامٌ لَّا یَذْکُرُوْنَ | مویشی ہیں جن کی پیٹھ پر چڑھنا |

| | |
|---|---|
| اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ ط سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ٥ (انعام - ع ۱۶) | منع ہے اور کچھ مویشی جن کے ذبح پر اللہ کا نام نہیں لیتے، اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوئے، اللہ ان کے اس جھوٹ کی ان کو سزا دے گا۔ |
| وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ج وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ط سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ط اِنَّهٗ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ٥ (انعام - ع ۱۶) | اور انھوں نے کہا کہ ان مویشیوں کے جو کچھ پیٹ میں ہے وہ ہمارے مردوں ہی کے کھانے کے لئے مخصوص ہے اور ہماری عورتوں کے لئے حرام ہے اور اگر مردہ ہو تو اس میں سب شریک ہیں، اللہ ان کو ایسی باتیں بنانے کی سزا دے گا وہ حکمت والا اور خبردار ہے |

عرب کے ان شریعت سازوں کا یہ جرم جس کو قرآن "افترا" کہتا ہے، کیا تھا؟ یہی کہ انھوں نے بلا کسی آسمانی سند اور وحی کے محض اپنے اتفاق رائے اور اصطلاح سے ایک چیز کو ایک کے لئے حلال اور دوسرے کے لئے حرام کر دیا اور اس کے ایسے قواعد و احکام اور اصول و ضوابط مقرر کئے جن کا کوئی آسمانی

ماخذ نہ تھا، اور پھر ان کی ایسی پابندی کی اور دوسروں سے کرائی جیسی پیغمبروں کی شریعتوں اور احکام الٰہی کی ہوتی ہے کہ اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو سخت گنہگار سمجھا جائے اور ملزم اور مطعون ہو۔

یہودیوں اور عیسائیوں کا یہی جرم قرآن نے بیان کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ | انھوں نے اپنے عالموں اور |
| وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ | درویشوں کو اللہ کو چھوڑ کر |
| دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ۔ ع ۵) | خدا ٹھیرا لیا۔ |

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عدیؓ بن حاتم کے سامنے اس آیت کی یہی تفسیر کی کہ عیسائی علماء و مشائخ نے جس چیز کو اُن کے لئے حلال یا حرام قرار دے دیا انھوں نے بے چون وچرا اس کو مان لیا اور ان کو مستقل شارع قرار دے دیا۔

درحقیقت تحلیل و تحریم میں اور کسی چیز کو بلا دلیل شرعی فرض و واجب قرار دے دینے اور کسی خاص شکل اور آداب و شرائط کے ساتھ کارِ ثواب اور ذریعۂ تقرب الی اللہ قرار دینے میں کوئی اصولی فرق نہیں دونوں "شرع مالم یاذن بہ اللّٰہ" کے حکم میں آتے ہیں۔

بدعت۔ دوسری جس حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے یہ ہے کہ شریعت مکمل ہوچکی ہے، جس کا تعین ہونا تھا، اس کا تعین ہوگیا، ایک انسان کی

نجات کے لئے جتنے اعمال ضروری ہیں اور تقرب الی اللہ کے لئے جتنے وسائل تھے، ان سب کی وضاحت کردی گئی اور دین کی ٹکسال بند کردی گئی، اب جو نیا سکہ اس کی طرف منسوب کیا جائے گا وہ جعلی ہوگا۔

| | |
|---|---|
| اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ | میں نے تمھارے لئے تمھارا دین |
| وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ | مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر |
| وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ | تمام کردی اور اسلام کو بطور دین |
| دِیْنًا ط (مائدہ - ۱۶) | کے تمھارے لئے پسند کیا۔ |

تکمیل نعمت کے یہ خلاف ہے کہ دین و شریعت کا ایک بڑا حصہ مشتبہ اور غیر متعین چھوڑ دیا جائے اور صدیوں تک مسلمان اس کے دریافت سے غافل اور اس کے ثواب سے محروم رہیں خصوصاً خیر القرون کے وہ لوگ جو وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ کے مخاطب اول تھے، اور پھر صدیوں کے بعد اس کا انکشاف اور تعین ہو۔

اس شریعت میں جو شخص بھی کوئی نیا اضافہ کرتا ہے اور کسی خارج از دین بات کو دین کا جز قرار دیتا ہے، کسی ایسی چیز کا اہتمام کرتا ہے جس کا اللہ کے رسولؐ نے اہتمام نہیں کیا، یا تقرب الی اللہ کے کسی نئے ذریعہ کا انکشاف کرتا ہے وہ گویا زبان حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ دین میں یہ کمی رہ گئی تھی اس کو اب پورا کیا جا رہا ہے اور یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ رسالت پر

بڑا الزام ہے جن کو حکم تھا کہ ۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ (مائدہ۔ع ۱۰)

اے پیغمبر پہونچا دو جو تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے اُتارا گیا اور اگر ایسا نہ کیا تو تم نے اس کا پیغام نہیں پہونچایا۔

امام مالکؒ نے کیا خوب فرمایا۔

من ابتدع فی الاسلام بدعة یراها حسنة فقد زعم ان محمدا صلی الله علیه وسلم خان الرسالة فان الله سبحانه یقول الیوم اکملت لکم دینکم فما لم یکن یومئذ دینا فلا یکون الیوم دینا۔

جس نے اسلام میں کوئی بدعت پیدا کی اور اس کو وہ اچھا سمجھتا ہے وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) پیغام پہونچانے میں خیانت کی اس لئے کہ اللہ فرماتا ہے کہ میں نے تمھارے لئے تمھارا دین کمل کر دیا پس جو بات عہد رسالت میں دین نہیں تھی وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

شریعت منزّل من اللہ کی ایک خصوصیت اس کی سہولت اور اس کا

ہر ایک کے لئے ہر زمانہ میں قابل عمل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ حکیم و خبیر ہے اس کو انسانوں کی فطری کمزوری، ان کے مصالح اور ان کے مختلف و متفاوت حالات کا پورا علم ہے، اس کے ساتھ وہ رؤف و رحیم (بے حد مہربان اور شفیق) بھی ہے اس علم محیط اور شفقت بے پایاں کی بنا پر اس نے انسانوں کے لئے اپنے پیغمبروں کے ذریعے نہایت آسان شریعت نازل کی، احکام شریعت میں ان کی کمزوریوں مشکلات اور کوتاہیوں کا پورا لحاظ رکھا اور ان کی قوت، وقت اور وسعت اور زمان و مکان کا پورا لحاظ فرماتے ہوئے ان کے لئے ایک عالمگیر اور ابدی قانون مقرر فرمایا، اس کا ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا | اللہ کسی کو اس کی گنجائش سے |
| وُسْعَهَا ط (البقرہ۔ع ۴۰) | بڑھ کر مجبور نہیں کرتا۔ |
| يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ | اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے بار کو |
| عَنْكُمْ ج وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ | ہلکا کرے، اور انسان کمزور |
| ضَعِيْفًا ○ (نساء۔ع ۵) | پیدا کیا گیا ہے۔ |
| وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ | تم پر اللہ نے دین میں کوئی تنگی |
| مِنْ حَرَجٍ ط (حج۔ع ۱۰) | نہیں رکھی۔ |

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا۔

| | |
|---|---|
| لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ | تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک |

| | |
|---|---|
| اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (توبہ ۔ ع ۱۶) | رسول آیا جس پر تمھاری تکلیف شاق ہے، تمھاری اس کو بڑی فکر ہے ایمان والوں پر نہایت شفیق و مہربان ہے۔ |

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی شریعت کے متعلق فرمایا۔

| | |
|---|---|
| بعثت بالحنیفیۃ السمحۃ ان ھذا الدین یسر | مجھے نہایت سیدھے سادے آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا بے شک یہ دین آسان ہے۔ |

اُمت کی مشقت کا آپ کو اتنا خیال تھا کہ فرمایا۔

| | |
|---|---|
| لولا ان اشق علی اُمتی لامرتھم بالسواک عند کل صلوٰۃ۔ | اگر مجھے اپنی امت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنا فرض قرار دے دیتا۔ |

لیکن دین کی یہ سہولت اور خدا کی طرف سے اس بات کی ضمانت اسی وقت تک ہے جب تک کہ اللہ شارع ہے اور شریعت اسی کی ہے لیکن جب انسان شارع بن جائے اور وہ شریعت الٰہی میں مداخلت اور اضافہ شروع کردے تو پھر دین کی سہولت باقی نہیں رہ سکتی، نہ انسان کا علم محیط ہے نہ وہ مختلف

انسانوں کی ضروریات، مصالح اور زمان و مکان کے اختلافات کا لحاظ رکھ سکتا ہے، نہ اس کو اپنے بنی نوع پر وہ شفقت ہو سکتی ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو دین خالص ہونے کی صورت میں ہر ایک کے لئے قابلِ عمل اور بالکل سہل ہوتا ہے، وہ ان بدعات کی آمیزشوں اور وقتاً فوقتاً اضافوں کے بعد اسقدر دشوار پیچیدار اور طویل ہو جاتا ہے کہ اس پر پورے طور پر عمل کرنا رفتہ رفتہ ناممکن ہوتا چلا جاتا ہے، لوگوں کو گریز اور حیلہ جوئیوں کی عادت پڑ جاتی ہے، اور بہت سے لوگ ایسے مذہب کا قلادہ اپنی گردن سے اُتار دیتے ہیں، مذاہب کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ترک مذہب کی بکثرت نوبت اور الحاد ولا مذہبیت کا آغاز عموماً ان لاتنا ہی بدعات کے بعد ہوا جن کی پابندی ایک متوسط درجہ کے انسان کے لئے تقریباً ناممکن ہو گئی تھی، اور آدمی ان کا پابند رہ کر کسی اور کام کا نہیں رہ سکتا تھا، قرونِ وسطیٰ میں بھی علم وعقل کی بغاوت کلیسا کے اسی مذہبی نظام کے خلاف تھی جس سے اصل مسیحی مذہب کو بلا کی نسبت بھی نہ تھی۔

یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ الٰہی دین و شریعت کی ایک خصوصیت ان کی عالمگیر یکسانی ہے، یہ یکسانی زمانوں کے لحاظ سے بھی ہے اور مکانوں کے لحاظ سے بھی اللہ چونکہ "رب المشرقین ورب المغربین" ہے، وہ زمان و مکان کے حدود و قیود سے بالاتر ہے، اس لئے اس کی شریعت میں کامل یکسانی پائی

جاتی ہے اس کی آخری شریعت جس کی تکمیل آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ہو چکی ہے آفتاب کی طرح سب کے لئے ایک اور زمین و آسمان کی طرح سب کے لئے یکساں ہے، اس کی شکل جو قرنِ اول میں تھی وہی شکل چودھویں صدی ہجری میں بھی ہے، وہ جیسی اور جتنی مشرق والوں کے لئے ہے، ویسی ہی اور اتنی ہی مغرب والوں کے لئے بھی، جو قواعد و احکام، عبادت کے جو اشکال اور تقرب الی اللہ کی جو متعین شکلیں اہلِ عرب کے لئے تھیں وہی اہلِ ہندوستان کے لئے بھی اسی لئے اگر دنیا کے کسی حصہ کا کوئی مسلمان باشندہ دنیا کے کسی دوسرے حصہ میں چلا جائے تو اس کو فرائض اسلام کے ادا کرنے میں اور مسجد میں عبادت کرنے میں کوئی دقّت پیش نہیں آئے گی، نہ اس کے لئے کسی مقامی ہدایت نامہ اور رہبر کی ضرورت ہوگی، اس کو دینی حیثیت سے کوئی اجنبیت اور مسافرت محسوس نہیں ہوگی، علاوہ مقتدی ہونے کے وہ اگر صاحب علم ہے تو ہر جگہ امام بن سکتا ہے اور ہر جگہ فتویٰ دے سکتا ہے۔

لیکن بدعات کا یہ خاصّہ نہیں، ان میں یکسانی اور وحدت نہیں ہوتی ان میں زمان و مکان کا پرتو ہوتا ہے، وہ ہر جگہ کے مقامی سانچہ اور ملکی یا شہری ٹکسال سے ڈھل کر نکلتی ہیں، اور خاص تاریخی و مقامی اسباب اور ماحول میں بنتی ہیں، ان کو تمام عالم اسلامی میں رواج نہیں دیا جا سکتا، نہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو ان کا علم ہونا ضروری ہے، علم ہونے کے بعد ضروری نہیں کہ وہ

سب ان کو قبول کر لیں، اس لئے ہندوستان کی بدعات مصر کی بدعات سے مختلف ہیں، اور ایران وشام کی بدعات میں کوئی اشتراک نہیں، ملکوں سے گذر کر بعض اوقات شہر شہر کی بدعات مختلف ہوتی ہیں، ایک شہر کے مسلمانوں کو دوسرے شہر کی مخصوص بدعات کا علم نہیں ہوتا یہ بات بڑھتے بڑھتے، محلوں اور گھروں تک پہونچ سکتی ہے، اور گھر گھر کا دین مختلف ہو سکتا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے تمام دوسری شریعتوں اور مذاہب کا عبرتناک انجام تھا، یہودیت اور عیسائیت مسخ شدہ اور محرف شکل میں موجود تھی، اس لئے آپ نے شریعت اسلامی کو اپنی حقیقی شکل اور اصلی مقدار میں رکھنے کی پوری کوشش فرمائی اور اس کے لئے تمام احتیاطی تدابیر اختیار کیں آپ نے اپنے جانشینوں کو بدعت سے بچنے اور سنت کی حفاظت کی بڑی تاکید سے تلقین کی، آپ نے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد۔ | جو ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں داخل نہیں تھی تو وہ بات مسترد ہے۔ |
| ایاکم والبدعة فان کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار۔ | بدعت سے ہمیشہ بچو اس لئے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہوگی۔ |

اور یہ حکیمانہ پیشگوئی بھی فرمائی۔

| | |
|---|---|
| ما احدث قوم بدعۃ الا رفع بھا مثلھا من السنۃ۔[1] | جب کچھ لوگ دین میں کوئی نئی بات پیدا کرتے ہیں تو اس کے بقدر کوئی سنت اُٹھ جاتی ہے۔ |

آپ کے براہِ راست جانشین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس وصیت کی پوری تعمیل کی اور بدعات کے بارے میں کسی قسم کی رواداری اور کمزوری روا نہیں رکھی، ان کے انکارِ بدعات کے واقعات ملاحظہ ہوں اگر کوئی شخص بدعات کے حقیقی مفاسد اور محافظت شریعت کی حکمت و اسرار سے واقف نہ ہو تو ان کو تشدد اور غلو پر محمول کرے گا، لیکن اگر کوئی شخص مذاہب کی تاریخ سے واقف ہے تو وہ ان حضرات کے تفقہ اور حکمت دین کی داد دے گا کہ اگر دوسری ہی نسل میں مذہب کی شکل کی حفاظت نہ کی جاتی تو وہ باقی نہیں رہ سکتا تھا۔

صحابہ کرام کے بعد ائمہ و فقہاء اسلام نے اعلیٰ درجہ کے فہم دین اور ایسی عزیمت و استقامت کا ثبوت دیا جو انبیاء کرام کے جانشینوں کے

---

[1] اس فرمان نبوی کی اگر شرح دیکھنا ہو تو مکتوبات امام ربانی" (مکتوب ۔ بہ خواجہ عبدالرحمٰن) ص۱۸۶ و ۱۸۷ (احمدی) و ص۲۵۵ ملا طاہر لاہوری میں ملاحظہ ہو یا ان لوگوں کی عملی زندگی میں جو بدعات میں مبتلا ہیں۔

شایانِ شان ہے، انھوں نے ہمیشہ اپنے زمانہ کی بدعات کی سختی سے مخالفت کی مبتدعین کا علمی و عملی مقاطعہ کیا اسلام کے معاشرہ اور دینی حلقوں میں ان بدعات کو مقبول اور ان کے علمبرداروں کو وقیع اور باوقار بننے سے روکنے کی کوشش کی اور ان کو اہلِ علم کی نگاہوں سے ہمیشہ کے لئے گرا دیا۔

بالخصوص فقہاء حنفیہ نے جو شدید احتساب کیا اور جس باریک بینی اور نکتہ فہمی کے ساتھ اپنے زمانہ کے بعض بظاہر معمولی مبتدعانہ اعمال و رسوم کی مخالفت کی اور شریعت کی حفاظت اور سنت و بدعت کے امتیاز کے لئے جو حکیمانہ انتظامات اور فقہی احتیاطیں کیں وہ ان کی اصول دین سے گہری واقفیت اور ان کے تفقہ کی بہترین مثالیں ہیں۔

جو لوگ یہ جانتے ہیں کہ بدعات عوام اور خوش عقیدہ شائقین دین کے لئے کیسی مقناطیسی کشش رکھتی ہیں اور کس سرعت کے ساتھ رواج و مقبولیت حاصل کر لیتی ہیں وہ ان علماء اسلام کی ہمت و دلیری اور کامیابی کی داد دیں گے جن کی کوششوں اور اظہار حق سے بعض بعض بدعات کا بالکل سدّباب ہو گیا اور اب ان کا فقہ کی بعض کتابوں یا تمدن کی بعض تاریخوں میں ذکر آتا ہے بعض بدعات جو باقی رہ گئیں ان کا بدعت ہونا بھی مشتبہ نہیں رہا، اور ایک جماعت ہمیشہ ان کی محافظت کرتی رہی اور اب بھی کرتی ہے۔

ان مخالفین بدعت اور حاملین لواء سنت کو اپنے زمانہ کے عوام یا خواص کالعوام سے اسی طرح جامد اور روایت پرست وغیرہ کے خطابات ملے جس طرح ہر زمانہ کے مذاق عام اور رواج عام کے خلاف کہنے والوں اور کرنے والوں کو ملا کرتے ہیں۔ مایقال لک الا ما قد قیل للرسل من قبلک۔

**غفلت:** دین الٰہی سے انحراف کا ایک عام سبب غفلت ہے، اللہ سے بے تعلقی اور اس کے احکام و فرائض کی طرف سے بے توجہی کا سبب ہمیشہ بغاوت و کفر ہی نہیں ہوتا، بلکہ اکثر اوقات دنیا پرستی اور مادیت ہوتی ہے، عزت و جاہ کا سودا، دولت کا عشق اور معاش میں سرتاپا انہماک آدمی کو معاد سے بالکل غافل کر دیتا ہے، مادیت کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ سرے سے نجات کا خیال، رضاء الٰہی کے حصول کا شوق، اور اس کے عذاب کا خوف دل سے بالکل نکل جاتا ہے، اور کھانے پینے اور پہننے کے سوا دنیا میں کوئی فکر باقی نہیں رہتی، خدا سے غافل لوگوں کی صحبت اور گناہوں اور عیش میں انہماک دل کو ایسا مردہ کر دیتا ہے کہ دینی اور اخلاقی حس باطل ہو جاتی ہے، نیک و بد اور حلال و حرام کی تمیز جاتی رہتی ہے ایسے غافل اپنے اخلاق و اعمال سیرت و کردار، معاشرت و آداب اور وضع و صورت میں کافروں اور اللہ کے باغیوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں رہتے شراب کے بے تکلف دور چلتے ہیں، منہیات و محرمات کا آزادی سے ارتکاب کیا جاتا ہے، جرائم اور فسق و فجور میں

نئی نئی ایجادات کی جاتی ہیں اوران میں ایسی ذہانت اور ہنرمندی کا اظہار کیا جاتا ہے کہ پرانی اُمتیں ان کے سامنے مات ہوجاتی ہیں، شرع و دین کی کوئی حرمت باقی نہیں رہتی، ایسی خدافراموشی اور خود فراموشی طاری ہوجاتی ہے کہ بھول کر بھی خدا یاد نہیں آتا اور اپنا بھی حقیقی ہوش نہیں رہتا۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا — ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنھوں نے
اللّٰهَ فَأَنسٰهُمْ أَنفُسَهُمْ — اللہ کو بھلا دیا اللہ نے ان کو
(حشر۔ ع ۳) — خود فراموش بنا دیا۔

یہی وہ لوگ ہیں جن کا حال اللہ نے اس آیت میں بیان کیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ — بے شک جو لوگ ہم سے ملنے کی
لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ — اُمید نہیں رکھتے اور دنیا کی
الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا — زندگی پر مگن اور مطمئن ہیں،
وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا — اور جو لوگ ہماری نشانیوں
غٰفِلُونَ ۝ (یونس ـ ع ۱) — سے غافل ہیں۔

نتیجۃً و عملاً ایسے غفلت شعار اور آخرت فراموش، منکرین آخرت اور اللہ و رسولؐ سے بغاوت کرنے والوں سے ممتاز نہیں ہوتے، پیغمبروں کی دعوت کے لئے ان کا وجود بھی اسی قدر بے سود اور بعض اوقات سنگ راہ ہوتا ہے، جس طرح مکذّبین و منکرین کا اور بعض اوقات یہ مدّعیانِ اسلام، اسلام کے

خلاف حجت اور تبلیغ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں، پھر اس سے زیادہ بدقسمتی کی بات یہ ہوتی ہے کہ یہ غافلین یا منافقین اپنی کثرت یا دنیاوی لیاقت یا کوششوں یا محض وراثت سے مسلمانوں کی مسند حکومت پر قابض ہو جاتے ہیں، اور مسلمانوں کی "امامت" ان کے ہاتھ میں آجاتی ہے یا مسلمانوں کی زندگی میں اتنا رسوخ اور اثر پیدا کر لیتے ہیں کہ ان کے اخلاق و اعمال عوام کے لئے نمونہ بن جاتے ہیں اور ان کی عظمت اور وقعت دل و دماغ میں جاگزیں ہو جاتی ہے، اس وقت ان "اکابر مجرمین" کی وجہ سے غفلت و خدا فراموشی اور غیر اسلامی زندگی کا ایسا دور دورہ ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کی عملداری میں "جاہلیت" کی حکومت قائم ہو جاتی ہے، اور بعض اوقات جب اس طرز زندگی کو کچھ زیادہ مدت گذر جاتی ہے تو اسی کا نام "اسلامی تہذیب و تمدن" پڑ جاتا ہے جس کی مخالفت "غیر اسلامی تمدن" سے زیادہ مشکل ہوتی ہے۔

ان تمام حالات میں پیغمبروں کے جانشینوں کو کام کرنا پڑتا ہے، شاید انسانوں کی کوئی جماعت اتنی مشغول اور فرائض و ذمہ داریوں سے اتنی گرانبار نہیں، جتنی نائبان رسول اور علماء و مصلحین اسلام کی جماعت ہے جسمانی امراض کے طبیبوں کو بھی کبھی آرام اور فرصت کا موقع میسر آجاتا ہوگا، لیکن ان اطباء روح کے لئے کوئی موسم اعتدال اور صحت کا نہیں، بہت سی جماعتیں ایسی ہیں کہ جب ان کی اپنی حکومت قائم ہو جاتی ہے تو ان کی جد و جہد ختم ہو جاتی ہے،

اوران کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے لیکن علماء حق اور "قَوّٰامِیْنَ لِلّٰہِ شُہَدَاءَ بِالْقِسْطِ" (اللہ کی طرف سے منتظم اور انصاف کے گواہ) کی جماعت کا کام بعض مرتبہ مسلمانوں کی حکومت میں ختم ہونے کے بجائے کچھ بڑھ ہی جاتا ہے کچھ چیزیں ہیں جو حکومت وطاقت اور دولت وفراغت ہی کے زمانے میں پیدا ہوتی ہیں، اور علماء اسلام ہی کا فرض ہوتا ہے کہ ان کی نگرانی کریں وہ اپنے فریضۂ احتساب نگرانی، اخلاق اور دینی رہنمائی کے منصب سے سبکدوش نہیں ہوتے اس وقت بھی ان کا جہاد اور اس کی جدوجہد جاری رہتی ہے، کہیں مسلمانوں کی مسرفانہ زندگی پر روک ٹوک کر رہے ہیں، کہیں سامان عیش وغفلت پران کی طرف سے قدغن ہے، کہیں چوری کی شراب کو گرفتار کیا ہے اور اس کو انڈیل رہے ہیں، کہیں باجوں اور موسیقی کے آلات کو توڑ رہے ہیں، کہیں مردوں کے لئے ریشم کے لباس اور سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال پر چیں بہ جبیں ہیں، کہیں بے حجابی اور مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط پر معترض ہیں، کہیں حماموں کی بے قاعدگیوں اور بداخلاقیوں کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں، کہیں اپنے زمانہ کے خلاف اخلاق اور خلاف شرع باتوں اور عادتوں کے خلاف وعظ کہہ رہے ہیں، کہیں غیر مسلموں اور عجمیوں کے عادات وخصوصیات اختیار کرنے پران کی طرف سے مخالفت ہے، کبھی مسجدوں کے صحن اور مدرسوں کے ایوانوں میں حدیث کا درس دے رہے ہیں، اور قال اللہ اور قال الرسول کی صدا بلند کر رہے ہیں، کبھی خانقاہوں میں یا اپنے

گھروں اور مسجدوں میں بیٹھے ہوئے دلوں کا زنگ دور کر رہے ہیں، اللہ کی محبت اور طاعت کا شوق پیدا کر رہے ہیں، امراضِ قلب، حسد، تکبّر، حرصِ دنیا اور دوسرے نفسانی اور روحانی امراض کا علاج کر رہے ہیں، کبھی منبر پر کھڑے ہوئے جہاد کا شوق دلا رہے ہیں، اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت یا اسلامی فتوحات کے لئے آمادہ کر رہے ہیں، پوری اسلامی تاریخ میں آپ کو زندہ اور ربّانی علماء جو حکومتِ وقت کے دامن سے وابستہ نہیں تھے، یا حقیر جھگڑوں میں مشغول نہیں تھے، انھیں مشاغل میں منہمک نظر آئیں گے، اور مسلمانوں کا کوئی دورِ حکومت ان علماءِ حق اور ان کی جد و جہد سے خالی نہیں رہا۔

بنی اُمیہ کا دور اور مسلمانوں کا شاہانہ عہد ہے، بظاہر مسلمانوں کو تمام کاموں سے فرصت ہو گئی ہے مگر علماء کو فرصت نہیں، حضرت حسن بصریؒ کی مجلسِ وعظ گرم ہے جس میں اپنے زمانہ کے منکرات و بدعات کے خلاف تقریر ہو رہی ہے، اپنے زمانہ کی معاشرت نظام اور اہلِ حکومت کی بے دینی پر تنقید ہے، نفاق کی علامات اور منافقین کے اوصاف وسیع پیرایہ میں بیان ہو رہے ہیں اور موجودہ زندگی پر ان کو منطبق کیا جا رہا ہے، خشیتِ الٰہی اور آخرت کا بیان ہے جس سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئی ہیں، اور روتے روتے حاضرین کی ہچکیاں بندھ گئی ہیں، سورہ فرقان کے آخری رکوع "وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا" کی تفسیر ہو رہی ہے[1]

---

[1] کتاب قیام اللیل محمد بن نصر مروزی ۱۲

اور صحابہ کرامؓ کے چشم دید حالات اور واقعات اس طرح بیان کئے جارہے ہیں کہ اس مبارک دور کی تصویر کھنچ گئی ہے اور صحابہؓ چلتے پھرتے نظر آرہے ہیں لوگ مجلس سے توبہ کرکے اُٹھتے ہیں، اور سیکڑوں آدمیوں کی اصلاح حال ہورہی ہے۔

بنی عباس کا دور ہے اور امام احمد بن حنبلؒ، شاہِ وقت کے ذوق و رجحان اور مسلک کے خلاف مذہب اعتزال کی صاف صاف تردید کررہے ہیں، اور بدعات کا ردّ اور سنت کا اعلان کرتے ہیں، علم کلام اور فلسفہ کے بڑھتے ہوئے رجحان کے مقابلہ میں خاص سنت اور عقائدِ سلف کی تبلیغ فرمارہے ہیں اور یہ سب اس جراءت اور اطمینان کے ساتھ کہ گویا مامون و معتصم کی حکومت نہیں ہے بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت ہے۔

بغداد اپنے اوج پر اور بغداد کی تہذیب، دولت اور بے فکری اور آزادی عروج پر ہے، ہر طرف عیش و غفلت کا سمندر رواں ہے، کرخ و رصافہ کے میدانوں میں اور مسجدوں کے سامنے میلے لگے ہوئے ہیں، بازاروں میں بڑی چہل پہل ہے، لیکن سیکڑوں آدمی ان تمام دلچسپیوں اور تفریحات سے آنکھ بند کئے ایک طرف چلے جارہے ہیں آج جمعہ کا دن ہے محدّث ابن جوزی کا وعظ ہورہا ہے، سیکڑوں آدمی تائب اور بیسیوں غیر مسلم مسلمان ہورہے ہیں، لوگ خلاف شرع اُمور سے توبہ کررہے ہیں۔

ایک طرف اسی پرشور اور ہنگامہ زار بغداد میں نہایت سکون واطمینان

کے ساتھ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا درس وعظ اور روحانی فیض جاری ہے جس سے عرب و عجم کے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں، بڑے بڑے امراء اور شاہزادے اپنے عیش و دولت کو خیرباد کہہ کر زہد و فقر کی زندگی اختیار کرتے ہیں بڑے بڑے سرکش اور نشۂ دولت میں مخمور تائب ہوتے ہیں خلافت عباسی کے عین دارالخلافہ میں اور خلیفۂ بغداد کی حکومت کے بالکل مقابل اس درویش کی روحانی اور دینی حکومت قائم ہے جس کا سکہ عرب و عجم پر رواں ہے۔

بعد کے تمام عہدوں میں اور حکومت اسلامی کے تمام اطراف واکناف میں سلاطین و امراء کے بالمقابل اور تمام دوسری دلچسپیوں دعوتوں اور تحریکوں اور مشاغل کے ساتھ علماء حق کی یہ کوششیں اور ان کے مرکز، مساجد، مدارس خانقاہیں، مجالس وعظ اور باضابطہ و بے ضابطہ احتساب جاری رہا۔[1]

علماء حق کا یہی بدقسمت یا خوش قسمت گروہ ہے جس کو مسلمان بادشاہوں اور ان کے کارکنان حکومت کے ہاتھوں (جبکہ دوسروں کو سیم و زر کی تھیلیاں اور عہدوں کے پروانے ملتے تھے) دار و رسن اور زنازیاتے کے انعامات ملے،

---

[1] ہندوستان کے لئے اس کی تفصیل سب سے زیادہ والد مرحوم مولانا سید عبدالحیؒ کی عظیم الشان عربی تصنیف نزہۃ الخواطر کی آٹھ جلدوں میں ملے گی جو ہندوستان کے مسلمان مشاہیر داعیان اور علما کی سب سے بڑی تاریخ ہے اور طبع ہو چکی ہے۔

اسی گروہ کے کتنے افراد کو ایک مسلمان حاکم (حجّاج) کے ہاتھوں شہادت کا سُرخ خلعت ملا، پھر اسی گروہ کے ایک مقتدر فرد (حضرت امام ابو حنیفہؒ) کو امیرالمومنین منصور عباسی کے ہاتھوں زہر کا جام نوش کرنا پڑا، پھر اسی گروہ کے دوسرے امام (حضرت امام احمد بن حنبلؒ) کو سب سے بڑے روشن خیال مسلمان بادشاہ (مامون) کے زمانہ میں پابجولاں اور اسیر زنداں ہونا پڑا اور اس کے جانشین (معتصم) کے ہاتھوں تازیانے کھانے پڑے۔

آخر زمانے میں بھی کیسے کیسے عادل و داد گر مسلمان فرمانرواؤں کے ہاتھوں کیسے کیسے جلیل القدر علماء پر بیداد ہوئی جہانگیر کی زنجیر عدل مشہور ہے مگر حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے پاؤں میں بھی زنجیر پڑی اور ان کو اپنے اظہارِ حق کے صلہ میں گوالیار کے قلعہ میں محبوس ہونا پڑا۔

ان کارناموں اور خدمات کے علاوہ (جو حاملین دین اور محافظین شریعت کے فرائض منصبی ہیں) جن کو ہم اس حیثیت سے دفاعی کہہ سکتے ہیں کہ وہ شرک و کفر، بدعت اور غفلت کے مقابلہ میں اسلام کی حفاظت کی کوششیں ہیں مگر یہ درحقیقت اسلام کی مستقل دعوت و تبلیغ اور دین کی مسلسل جدوجہد ہے جو قیامت تک جاری رہے گی۔

لایزال طائفۃ من اُمتی ظاھرین علی الحق لایضرّھم

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ علانیہ قائم رہے گا کسی کے مدد نہ کر

من خذلهم (او کما قال) — اس کو کچھ نقصان نہ پہونچے گا۔

الجہاد ماضٍ الی یوم القیٰمۃ — جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔

لیکن ان کے علاوہ دو اور خدمتیں ہیں جو ہر زمانہ کے علماء کے ذمہ ہیں اور علماء ربّانی ان کو انجام دیتے رہے ہیں۔

ا۔ اسلامی فتوحات سے کمتر اور مبلغین، صلحاء و صوفیہ اور بعض مسلمانوں کے اخلاق اور محبت کے اثر سے بیشتر مسلمانوں کے مفتوحہ ممالک میں لاکھوں آدمیوں نے اسلام قبول کیا، اور پوری پوری برادریاں اور بڑے بڑے خاندان اسلام میں داخل ہو گئے، لیکن ان کی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام نہ کیا جا سکا اور ان پر اسلام کی تعلیمات کا کوئی اثر نہ پڑ سکا، یا اگر ان پر یہ اثر پڑا تو ان کی بعد کی نسلوں میں یہ اثر باقی نہ رہ سکا، اور رفتہ رفتہ اس کے سوا ان کو کچھ یاد نہ رہا کہ ہمارے باپ دادا مسلمان تھے، اور انھوں نے کسی زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا، اور سوائے اسلامی نام اور کلمۂ طیبہ کے الفاظ کے ان کے پاس اسلام کا کوئی نشان باقی نہ رہا، کچھ دنوں کی اور بے توجہی کے بعد اسلامی نام بھی باقی نہ رہے اور کلمۂ طیبہ بھی سیکڑوں میں سے چند کے سوا کسی کو یاد نہ رہا، مگر اپنے مسلمان ہونے کا اعتراف باقی رہا، پھر وہ بھی مٹنے لگا، اور اس وقت باقاعدہ ان کا ارتداد عمل میں آنے لگا۔

ہندوستان جیسے ملک میں جہاں خاص حلقہ کے باہر اسلام کی بنیاد ہمیشہ

کمزور رہی، اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں تقریباً ہر بڑے شہر سے فاصلہ پر اور ہندوستان کے تمام اطراف میں لاکھوں کی تعداد میں ایسی مسلمان قومیں اور برادریاں موجود ہیں جن کو اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہا، دیہاتوں کی بڑی مسلمان آبادی ایسی ہے، جو نئے سرے سے تبلیغ اسلام کی محتاج ہے، ان میں سے بکثرت ایسے مسلمان ہیں، جو ہنوز عہدِ جاہلیت میں ہیں، اور ان کو بعثت نبویؐ کی خبر بھی نہیں، وہ اسلام سے اتنے بیخبر ہیں، جتنے دیہاتوں کے غیر مسلم، فرائض و احکام اسلام کا ذکر چھوڑ کر بعض بڑے شہروں کے اطراف ولواح میں ایسے مسلمان ملتے ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نام نامی سے بھی واقف نہیں۔

بعض علماء ربّانی نے اپنے زمانہ میں ان علاقوں اور دیہاتی رقبوں کی طرف توجہ کی اور بعض مسلمان قوموں اور برادریوں کو از سرِ نو مسلمان بنایا ان میں تبلیغی دورے کئے وعظ و نصیحت، اختلاط آمد و رفت اور اپنے اخلاق و تالیف قلب سے ان کے دل مٹھی میں لئے، ان کو مُرید کر کے ان کو توحید اور اتباع سنت کے راستہ پر لگایا، شرک و بدعت سے تائب کیا، جاہلانہ رسمیں غیر مسلموں کی وضع و صورت اور کفر و جاہلیت کے شعار چھڑائے، ان میں اخلاق و انسانیت پیدا کی، پابند فرائض اور خوش اوقات بنایا، علم کا شوق دلایا اور تعلیم کو رائج کیا، اور ان میں سے لائق افراد کو چھانٹ کر اور اپنے

پاس رکھ کر ان کی تربیت و تعلیم کی، پھر ان سے اپنی قوم اور دوسری جماعتوں کی تبلیغ و اصلاح کا کام لیا، یہ تبلیغی کام جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریق کار سے سب سے زیادہ ظاہری مشابہت رکھتا ہے' ان کے دوسرے کارناموں کے مقابلہ میں کسی طرح کم اہم نہیں۔

۲۔ قرآن و حدیث اسلام کی طاقت کا اصلی سرچشمہ ہیں، جن سے ہمیشہ طاقت اور روشنی حاصل کی جاسکتی ہے' اور جن کے ذریعہ سے ہر زمانہ میں مسلمانوں کے کمزور سے کمزور ڈھانچہ میں رُوح پھونکی جاسکتی ہے، شرک و کفر، بدعت و غفلت کے خلاف سب سے کارگر حربہ قرآن و حدیث کا علم اور اُن کی اشاعت ہے' ان کا صحیح علم اور ان کی روشنی جسقدر پھیلتی جائے گی' کفر و جہالت کی تاریکیاں دور ہوتی جائیں گی، اس لئے ہزار تبلیغوں کی ایک تبلیغ ان کی نشر و اشاعت ہے۔

انبیاء کرام کی بڑی خصوصیت ان کی ہم آہنگی اور یک آہنگی ہے' یعنی وہ سب ایک بات کہتے ہیں اور ایک ہی بات کہتے رہتے ہیں۔ وہ کیا۔

| | |
|---|---|
| یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ | اے میری قوم اللہ کی بندگی |
| مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط | کرو، تمھارا معبود اس کے سوا |
| (ہود - ع ۵) | کوئی نہیں۔ |

ان کے جانشینوں کی بھی یہی خصوصیت ہوتی ہے کہ ان کی تمام

کوششوں اور ان کی زندگی کے متنوع مشاغل کا ہدف بھی ایک ہوتا ہے، وہ "دعوت الی اللہ" ہے، درس وتدریس، وعظ وتقریر، تبلیغ وتذکیر، تصنیف وتالیف، سلوک وتصوّف، بیعت وارشاد سب سے غرض، خلق خدا کو اللہ کی طرف بلانا، اللہ سے ملانا اور اللہ ہی کا بنانا ہوتا ہے، ان کے مشاغل متنوع اور مختلف ہو سکتے ہیں، مگر سب کا مرکز اور مقصد ایک ہوتا ہے، وہ بہت کچھ کہتے ہیں، مگر درحقیقت ایک ہی بات کہتے ہیں، اور بار بار کہتے ہیں ؎

فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن

حضرت نوحؑ کی طرح وہ بھی ان مشاغل اور مختلف طرق تبلیغ کی طرف اشارہ کر کے کہہ سکتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ | اے رب میں بلاتا رہا اپنی |
| لَیْلًا وَّنَهَارًا ثُمَّ اِنِّیْ | قوم کو رات اور دن پھر میں نے |
| دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ط | ان کو بلایا برملا۔ |
| ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ | پھر میں نے ان کو کھول کر اور |
| وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا۔ | چھپ کر کہا چپکے سے۔ |
| (نوح ع ۹) | |

یہ وعظ، یہ درس اور یہ انفرادی واجتماعی کوششیں، یہ ظاہر و مخفی

تدبیریں، یہ تذکیر و تزکیہ اور یہ توجہات اور انفاس قدسیہ اعلان و اسرار ہی کی شکلیں ہیں۔